اخلاص
اور
اخلاق

﴿مرتب﴾

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خلیفہ ومجاز

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز حضرت مولانا حکیم ذکی الدین صاحبؒ پرنامبٹ

خلیفہ ومجاز مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادیؒ

خلیفہ ومجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور دربھنگہ (بہار)

نام کتاب ـــــــــــــــ اخلاص اور اخلاق

مؤلف ـــــــــــــــ حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی

کمپیوٹر و کتابت ـــــــــــــــ عبداللہ علاء الدین قاسمی

صفحات ـــــــــــــــ 174

تعداد ـــــــــــــــ

سنہ اشاعت ـــــــــــــــ 2020

قیمت ـــــــــــــــ

ملنے کے پتے

☆ خانقاہ اشرفیہ و مکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور دربھنگہ (بہار)

☆ مولانا عبدالمجید صاحب قاسمی، صدر: دارالعلوم محمودیہ سلطانپوری (نئی دہلی)

☆ قاری عبدالجبار صاحب استاذ: دارالعلوم محمودیہ سلطانپوری (نئی دہلی)

☆ قاری عبدالعلام صاحب نزد مدینہ مسجد پورانی سیماپوری (نئی دہلی)

☆ قاری مطیع الرحمان صاحب اتوار بازار نزد مدینہ مسجد اگرنگر مبارک پور (نئی دہلی)

Mobile:7654132008/7428151390/9674661519

Pulbisher :

KHANQUAH E ASHRAFIA M.R.A

فہرست

❁	مضامین	صفحات

دیباچہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

أَلَا لِلّٰہِ الدِّینُ الْخَالِصُ۔إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ إِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیمٍ۔

قرآن وسنت کے مطالعہ سے یہ واضح ہے کہ بدون اخلاص کوئی عمل قابل قبول نہیں، تمام اعمال کی کامیابیاں اور نتائج اخلاص ہی پر موقوف ہیں اور اس کی تاکید خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی، جیسا کہ مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہاری وہی عبادت ہم قبول کریں گے جو غرض، مطلب اور ریاء سے پاک ہوگی، جس میں کسی بھی قسم کی اغراض پرستی اور غیر اللہ کی شرکت ہوگی وہ عبادت وطاعت ہم ہرگز قبول نہیں کریں گے، آیت پاک وحدیث شریف کا ترجمہ دیکھئے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: یادرکھو! دھیان سے سن لو! اللہ کے یہاں خالص عبادت ہی قبول ہوگی اور کوئی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا: تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، یہ مقولہ بھی مبنی بر حقیقت ہے، ''اچھی نیت اچھا انجام اور بُری نیت بُرا انجام''۔

اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے اگر کوئی عمل ہوگا تو وہ قبولیت کا درجہ حاصل کرے گا اور اس کا اچھا ثمرہ اور نتیجہ بھی ظاہر ہوگا، بندہ اللہ کو خوش کرتا ہے تو اللہ بھی بندہ کو خوش رکھتا ہے اور اچھے اعمال وطاعات پر جو ہر قسم کی نعمتوں کے وعدے کئے گئے ہیں وہ بھی پورے ہوں گے اور انجام بخیر ہوگا، اس کے برخلاف اگر اس نے اللہ کی ناراضگی کا سامان

کیا یا اعمال میں اپنی نیت درست نہیں رکھی اور مقاصد و اغراض کے تحت اللہ کی عبادت کی تو پھر اس کا عمل غیر مقبول اور بارگاہ الٰہی میں مردود ہے۔

جب بندہ اخلاص سے محروم ہو جاتا ہے تو پھر اس کا ہر عمل نفس کے لئے ہونے لگتا ہے اور خود غرضی، خود پرستی، نفس پرستی جیسے اعمال شر کا شکار ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں شیطان کو بھی گمراہ کرنے کا موقع ہاتھ آ جاتا ہے وہ تو نفس کے پجاریوں کو ڈھونڈتا ہی ہے اور پھر ساری عیاریاں، مکاریاں اور ریاکاریاں اسی راستہ سے اس سے کرواتا رہتا ہے۔

الغرض فساد نیت کی وجہ سے وہ اخلاص سے محروم ہو کر شیطان کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ جاتا ہے اور شیطان دشمن کا تو کام ہے ہی آدمی کو بے عمل بے اخلاص اور بد اخلاق بنانا تاکہ وہ خدا سے دور ہو جائے اور روئے زمین پر فساد و بد اخلاقی کا سیلاب و ہنگامہ برپا ہو اور خدائی ماحول کی جگہ شیطانی ماحول کا راج ہو جس کی قبیح اور اذیت رساں شکلیں جگہ جگہ دیکھی جارہی ہیں ہر طرف ریاء، نفاق، دجل، فریب، جھوٹ، حسد و بغض اور نفرتوں کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور یہ دردناک مناظر اسلئے پیش آرہے ہیں کہ اللہ کے لئے کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا بلکہ دنیا کے لئے اور اپنی غرض کے لئے تعلق و محبت ہے جو سراسر مردار دنیا اور نری دنیاداری ہے۔

اخلاص کا تعلق دل سے ہے اور دل تمام اعضاء جسم کا رئیسی عضو ہے، یہ تمام جسم کا سردار اور بادشاہ ہے، اس کی صحت سے اعمال کی صحت ہے اور اس کے فساد سے تمام اعمال میں فساد برپا ہو جاتا ہے، جبکہ عقل دل کی غلام اور تابع ہے، اس کی صحت و تندرستی بھی دل کی صحت و تندرستی پر موقوف ہے، دل روشن ہے تو عقل روشن، دل میں اندھیرا ہے تو عقل میں اندھیرا، معلوم ہوا کہ دل صحیح ہے تو عقل بھی صحیح رہے گی۔ اور جب عقل بگڑتی ہے تو انسان انسانیت کے حدود

سے نکل کر حیوانیت، شیطانیت، انارکی و بداخلاقی، بدامنی اور فساد کی دلدل میں جا گرتا ہے۔
اسی لئے اسلام نے صحت نیت کی تعلیم دی کہ کسی بھی عمل سے پہلے نیت کو صحیح کرلو کہ کس مقصد سے تم یہ عمل کررہے ہو، ایک مدرس ہو تو کیا نیت ہے؟ ایک امام ہو تو تمہاری کیا نیت ہے؟ ایک خطیب ہو تو کیا ارادہ ہے؟ ایک اللہ والا بننا چاہتے ہو تو تمہاری کیا نیت ہے؟ اگر مذکورہ تمناؤں کے پیچھے تمہارے دل میں حصول دنیا مثلاً شہرت، عزت اور نیک نامی وغیرہ ہے تو تمہاری نیت میں فساد ہے، تم سے انسانیت کو کوئی نفع نہیں ہوگا بلکہ نقصان ہی نقصان ہوگا، تمہاری دنیا وآخرت دونوں برباد ہوگی اور حسرت وناکامی اور روسیاہی کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا، جبکہ ان تمام اعمال کے پیچھے تمہارا مقصد اگر اشاعت دین رضائے الٰہی اور خوشنودی مولیٰ ہے تو پھر اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں برکت وعزت اور سرفرازی وسربلندی عطا کرے گا۔
مگر اس اخلاص کو پانے کے لئے اہل اللہ کی صحبت ضروری ہے، اسی لئے امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اخلاص تو اہل اللہ ہی کی صحبت سے حاصل ہوگا۔ حضرتؒ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ اپنی نیت درست رکھنا چاہتے ہیں تو اہل اللہ ہی کی صحبت ونگرانی کو اپنائے ان کی سرپرستی کے بغیر آپ میں اخلاص دائمی پیدا ہونا مشکل بھی ہے اور مشکل ترین بھی۔ اسلامی اور تاریخی کتابوں سے بھی اسی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ہر دور میں تمام صالح علماء واولیاء کرام کو بھی اپنے مشائخ کی صحبت ہی سے یہ دولت نصیب ہوئی ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت سے انسان میں اخلاص کے ساتھ ساتھ اچھے اخلاق بھی پیدا ہوتے ہیں، دل کی اصلاح واخلاص اور عقل کو روشن کرنے کا انتظام انہی بوریہ نشیں اکابر کی صحبت میں ہوتا ہے اور اس کے بغیر موجودہ اسلامی معاشرہ کو قابو بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اگر آپ کے اندر دین کا سچا درد ہے تو اہل اللہ سے محبت اور ان

کے طریقہ ہدایت کو اختیار کرنا سیکھیں اور یہ سب ان کی صحبت ہی پر موقوف ہے۔
زیر نظر کتاب ''اخلاص اور اخلاق'' بھی اسی مقصد کے تحت منظر عام پر لائی گئی ہے کیونکہ یہ دونوں انسانیت کے ایسے قیمتی جوہر ہیں کہ ان کے بغیر انسان زندگی کے کسی بھی میدان میں کامیاب نہیں ہوسکتا، ہر وہ علم وعمل اور مقام جو اخلاص سے معمور ہوگا وہاں رحمت وبرکات کا نزول ہوگا، جہاں اخلاص اور اچھے اخلاق کا ماحول ہوگا وہاں رونق اور بہار ہوگی، امن وسلامتی کی فضا ہوگی، انسانیت اور محبت ومودت کے مناظر ہوں گے، انسانی زندگی کا مقصود یہی ہے اور یہی دو سیرتیں انسان کو تمام مخلوقات سے ممتاز اور برتر اور بارگاہ الٰہی میں مقبول بناتی ہیں ان دونوں کے بغیر انسان حیوان نما اور شیطان نما مخلوق کے سوا کچھ بھی نہیں، ایسی زندگی انسانیت کے لئے بوجھ لعنت اور مصیبت ہے۔
قارئین کرام! آج ہم اس دولت سے محروم ہو چکے ہیں اس کو نہایت دلسوزی فکر ولگن اور سچے شوق کے ساتھ حاصل کرنے کی ضرورت ہے اگر ہم صاحب اخلاص واخلاق ہو گئے تو گھر سوسائٹی اور ملک میں امن ورحمت کی بہار آجائے گی۔
حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مسلمانوں کی پوری زندگی اور اس کے مختلف شعبوں کے فساد کا اصل سبب اخلاص کی کمی اور اخلاق کا بگاڑ ہے اور وقت کا سب سے بڑا اور ضروری کام اخلاص اور اخلاق کا پیدا کرنا ہے اور اس کا سب سے مؤثر ذریعہ محبت ہے اور اس کا ذریعہ ذکر اور صحبت ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کا مفہوم یہی ہے کہ اپنے اندر اخلاص اور اخلاق حسنہ پیدا کرنے کا اصل راستہ محبت الٰہی کا ہے، جب تک ہمارے دل میں اللہ کی محبت اچھی

طرح جاگزیں نہیں ہوگی ہماری یہ مراد پوری نہیں ہوگی اور اللہ کی محبت کی دولت اہل اللہ کی محبت اوران کی سرپرستی میں ذکراللہ کے اہتمام سے حاصل ہوگی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت ہی نے اعلیٰ اقدار واخلاق کا حامل بنایا تھا اور پھراسی ترتیب کے ساتھ تابعین اور اولیاء کرام کوصحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اتباع وصحبت نے اخلاص واخلاق اور جامعیت وکاملیت کی دولت عطا کی تھی ،لہذا ہمیں بھی اگرمخلص اوراچھے اخلاق کا حامل بننا ہےتو پھراپنے اکابر ومشائخ کی صحبت واتباع کو لازمۂ حیات قرار دینا چاہئے ،قرآن وسنت اور تمام کتب اسلامی کے تتبع ومطالعہ سے یہی پیغام ملتا ہے۔

امت مسلمہ کو چاہئے کہ ان دونوں موضوع پر سیر حاصل مطالعہ وتحقیق کرے اور پھر شرح صدر کے ساتھ اپنے جملہ مہمات،مسائل،امور،معاملات،اوراعمال کے قبول وحل کی اسے اساس قرار دے ،اس کے بغیر قرآن وسنت کی تعلیم اور اسلامی نظام کی تعمیل وتنظیم پانی پر لکیر کھینچنے سے زیادہ اہمیت ووقعت نہیں رکھتے ،اہل علم اور مخلصین حضرات سے گذارش ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس موضوع پر لوگوں کے اذہان کومتوجہ اور مرتکز کریں اس سلسلہ میں کتاب ہذامیں درج شدہ صالحین ومخلصین کے واقعات سے عبرت وروشنی حاصل کریں اور دعافرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کوہمارے لئے باعث اجرونجات بنائے۔(آمین)

(حضرت مولانا)محمد علاءالدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

۹/ربیع الثانی ،بروز بدھ ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۵/نومبر ،۲۰۲۰ء

اخلاص کی تعریف

اخلاص کے معنی لغت میں خالص کرنے کے ہیں اور شریعت میں اس کے معنی وہی ہیں جو ورود شرع سے پہلے تھے، خالص گھی وہ ہے جس میں کوئی دوسری چیز نہ ملی ہو، اخلاصِ عبادت کے معنی بھی یہ ہوئے کہ عبادت کو غیر عبادت سے خالی کیا جائے یعنی کوئی ایسی غرض اس میں نہ ملی ہو جس کا حاصل کرنا شرعاً مطلوب نہ ہو۔ (التبلیغ ۲/۱۳۲/۴)

اخلاص

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ (البینۃ:۵)

''اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ خدا کی عبادت کریں اور یکسو ہو کر، اور نماز پڑھیں، اور زکوٰۃ دیں، اور یہی سچا دین ہے۔''

أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ (الزمر:۳)

''دیکھو خالص عبادت خدا ہی کے لیے (زیبا) ہے۔''

اخلاص نیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ''ہر عمل کا بدلہ نیت پر موقوف ہے اور ہر شخص کو وہی ملتا ہے جو اس کی نیت ہو'' ایک جگہ ارشاد ہے، ''کہ بہت سے اعمال بظاہر شکل

وصورت میں دنیوی امور سے مشابہ ہوتے ہیں لیکن حسنِ نیت کی وجہ سے وہ اعمال آخرت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور بہت سے اعمال اپنی ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے اعمالِ آخرت کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن نیت کی خرابی کی وجہ سے دنیاوی اعمال میں شمار ہوتے ہیں'' ایک اور جگہ ارشاد ہے، ''کہ علم اس لیے حاصل نہ کرو کہ علماء پر فخر کرو، جہلاء سے بحث کرو اور مجلس میں اونچی جگہ بیٹھو جو کوئی ایسا کرتا ہے اس کیلئے دوزخ ہے''۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے، ''کہ جس نے علم اللہ کے علاوہ کسی اور کیلئے سیکھا اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانا چاہیے۔'' ان ارشادات پر غور کریں کہ اگر علم کا مقصد دنیوی اغراض ومقاصد ہو یا فخر وریاکاری ہو تو پھر یہی علم ظاہری شکل وصورت میں عمل آخرت ہے لیکن نیت کی خرابی کی وجہ سے دنیاوی اعمال میں شمار ہوگا، لہذا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے اور اپنی آخرت درست کرنے کیلئے علم دین حاصل کرنا چاہیے۔ (شیر علی شاہ المدنی کی درسگاہ میں)

اخلاص الی اللہ

درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لئے بہت کارگر اور قرآن کریم ٹھیک پڑھنے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ معلوم ہوا کہ رات کو اٹھنا بہت زیادہ مؤثر ہے، اس بارے میں کہ دل وزبان کے درمیان موافقت پیدا ہو جائے اس لئے جو آدمی اپنی نیند توڑ کر رات کو اٹھتا ہے بالکل اپنی خلوت میں جہاں کوئی دیکھنے والا نہیں ہے اٹھ کر نماز ادا کرتا ہے اور اپنے رب سے دیر تک خطاب کرتا ہے، تو یہ بغیر خلوص کے ممکن ہی نہیں،

جب تک آدمی بالکل مخلص نہ ہو جائے اور جب تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا انتہائی مخلصانہ تعلق نہ ہو، اس وقت تک یہ کام ممکن نہیں ہوتا۔ آدمی باجماعت نماز میں اور پانچ وقت کی نماز میں ریاکاری اور نمائش کر سکتا ہے اس غرض کے لئے کہ میرا شمار صالحین میں کیا جائے اور میرا لوگوں کے اندر اثر قائم ہو جائے لیکن تہجد کی نماز جو رات کو اٹھ کر پڑھی جائے گی وہ بنا اخلاص کے ممکن نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہ دن کے اوقات میں تو تمہارے لئے بہت مصروفیت ہے، کیونکہ انسان کو اپنی ذمہ داریاں بھی ادا کرنا ہیں، کاروبار کرنا ہے اور معیشت کو مستحکم کرنا ہے، تعلیم و تعلم کے فرائض انجام دینا ہے اور ساتھ ہی نظم و نسق قائم رکھنا ہے اس لئے ضروری ہوا کہ دن کی عبادات کو مختصر کرے اور رات کی عبادت جہاں اس کا اللہ رب رحیم سے خاص تعلق استوار ہوتا ہے اس کو قائم کرنے کی سعی و جدوجہد کرے، پھر فرمایا کہ اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو کر رہو۔ تبتل اس بات کو کہتے ہیں کہ آدمی سب سے اپنا تعلق موڑ کر ایک اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہو جائے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے بتول کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے سارے تعلقات ختم کرو، ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق جوڑ لو، اس کے بعد اب جو خلق کے ساتھ تعلق ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے ہوگا، براہ راست نہیں ہوگا، کسی سے دوستی کی جائے گی تو وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر اور اگر کسی سے دشمنی تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاطر، کسی قسم کی ذاتی غرض اس کے ساتھ نہیں ہوگی۔ (خطبات رمضان المبارک جلد سوم)

بلگرام میں ایک بزرگ تھے، ان سے ایک شخص کچھ پڑھتے تھے، ایک دن جو

پڑھنے آئے تو دیکھا کہ استاد کچھ مضمحل ہور ہے ہیں اس روز ان کے گھر میں فاقہ تھا، یہ شخص باادب تھے استاد پر فاقہ کا اثر دیکھ کر پڑھنے سے عذر کر دیا اور اپنے گھر جا کر کچھ کھانا ان کے لئے لائے ان بزرگ نے فرمایا کہ یہ کھانا ایسے وقت آیا کہ مجھے اس کی ضرورت ہے مگر مجھے اس کے لینے سے معاف کرو، کیونکہ اس وقت اس کا قبول کرنا حدیث کے خلاف ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔

مَا اَتَاكَ مِنْ غَيْرِ اِشْرَافِ نَفْسٍ فَخُذْهُ یعنی جو چیز تمہارے پاس بلا انتظارِ نفس آجائے اس کو لے لو۔

تو جب تم میرے پاس سے گئے ہو اس وقت میرے دل میں یہ خطرہ گزرا تھا کہ تم کچھ لاؤ گے، یہ آدمی سلیقہ مند تھے کچھ بھی اصرار نہیں کیا اور کھانا لے کر اٹھ کھڑے ہوئے، جب ان کی نگاہ سے دور ہو گئے تو پھر لوٹے اور آ کر عرض کیا کہ اب تو یہ کھانا لینا آپ کو حدیث کے خلاف نہ ہوگا کیونکہ جب میں لے کر چلا ہوں اس وقت تو آپ کو مایوسی ہو چکی تھی، وہ بزرگ بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

ہم اگر ہوتے تو کہتے اجی حضرت خدا کے لئے لو۔ آج کل یہ بات بھی عمدہ خصلتوں میں شمار ہوتی ہے کہ بزرگوں پر ہدیہ قبول کرنے میں زور ڈالا جائے اور خوب اصرار کیا جائے۔ یہ بالکل نامناسب ہے، یہ عادت محمود نہیں، خدمت کے پچاس طریقے ہیں، ہدیہ دینے ہی میں خدمت منحصر نہیں، آپ نے دیکھا کہ ان بزرگ کی کیسی خالص نیت تھی اتنی آمیزش بھی نہ ہونے دی۔ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات جو بزرگ لوگ کسی کا ہدیہ نہیں لیتے اس کی کبھی یہ وجہ بھی ہوتی ہے، اس لئے ہدیہ دینے والے کو یہ سمجھ کر ناخوش نہ ہونا چاہئے کہ میرے ہدیہ کو حقیر سمجھا۔ (وعظ الدین الخالص: ص ۴۳)

ریاکاری اور اخلاص

دینی اعمال میں جو سب سے زیادہ حسین چیز ہے وہ اخلاص ہے اور جو سب سے زیادہ قبیح چیز ہے وہ ریاکاری ہے۔ ریاکاری کا مطلب ہے کہ دکھلاوا کرنا۔ اور دین اسلام میں ریاکاری کا درجہ شرک کے قریب قریب ہے۔

حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ایک عالم، ایک شہید اور ایک سخی کو لایا جائے گا ان سے ان کا حال معلوم کیا جائے گا عالم کہے گا کہ یا اللہ میں نے علم اس لیے حاصل کیا کہ لوگوں کی دینی رہنمائی کرسکوں۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ نہیں، تو نے علم اس لیے حاصل کیا کہ لوگ تجھے علامہ مفتی کہہ سکیں۔ سو لوگوں نے کہہ لیا اب جہنم کا مزہ چکھو۔ شہید سے پوچھا جائے گا کہ تو نے جان کس لیے دی؟ وہ کہے گا کہ اے اللہ تیری رضا کے لیے اپنی جان قربان کردی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے نہیں، تو نے اپنی جان لوگوں میں خود کو بہادر اور غازی مشہور کروانے کے لیے گنوائی ہے، اب جاؤ جہنم میں۔ اسی طرح سخی سے بھی کہا جائے گا کہ تو نے مال اس لیے خرچ کیا تھا کہ لوگ تجھے سخی کہیں پس اب جہنم میں جلتے رہو۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ریاکاری کرنے والے سے کہا جائے گا کہ جاؤ جن کو دکھانے کے لیے نیک اعمال کرتے تھے انہی سے بدلہ حاصل کرو۔

ریاکار لوگوں کی قسمیں

ریاکاری کا سب زیادہ مرض دیندار طبقے میں پایا جاتا ہے جو خود کو نیک و صالح اور

انتہائی پارسا سمجھتے ہیں ان کی ریا کاری بھی اپنی مثال آپ ہوتی ہے، بعض تو اپنے کو بڑا عالم و زاہد اور نیک ثابت کرنے کے لیے ہمہ وقت اپنے مریدین کی تعداد بڑھانے، ان کی گنتی کرنے اور لوگوں میں اپنے مریدین کے حلقہ کی وسعت بیان کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔

بعض تو جو جدید قسم کے ریا کار اس دور میں پیدا ہوئے ہیں وہ تو باقاعدہ مجالس ارشاد اور بیعت کی تصویریں اور ویڈیوز بنا کر اپ لوڈ کرتے رہتے ہیں تا کہ ان کے دیکھا دیکھی اور بھی نادان لوگ ہمارے دام ہمرنگ زمین میں پھنس جائیں، اپنی زبانی اپنی نالائقی کا اعتراف بھی بار بار کریں گے۔ اور ساتھ ساتھ لوگوں میں اپنی قبولیت کا ڈھنڈورا بھی پیٹتے رہیں گے۔ ایسے لوگ علماء سوء ہیں جو لوگوں کو پھانسنے کے لیے مختلف حیلے بہانے اختیار کرتے رہتے ہیں۔

بعض لوگ پھٹے پرانے کپڑے پہنیں گے، سر جھکا کر چلیں گے تا کہ لوگ انہیں ایک متواضع اور آخرت کا طالب انسان تصور کریں۔

جب کہ ایک طبقہ انہی نام نہاد اولیاء کا ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو اچھے کپڑے، اچھی گاڑی اور اچھی شان و شوکت اختیار کریں گے اس سے ان کا مقصد اللہ کی رضا یا شکرانِ نعمت نہیں ہوتا بلکہ اصل خواہش یہ ہوتی ہے کہ میری یہ ظاہری ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر امراء میرے قریب آئیں گے، میڈیا مجھے کوریج دے گا اور میں جلد ہی ایک مشہور و معروف ہستی بن جاؤں گا۔ (ختم نبوت وتعلیم دین کورس، ص/ 233)

ہر کام میں اخلاص وتصحیح نیت کا خیال رکھئے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

ایک چیز جس سے لوگ بہت غافل ہیں وہ تصحیح نیت ہے، اچھے کام کرتے ہیں اور اس میں اللہ کی رضا کی نیت اور استحضار نہیں ہوتا، ذہن اس کے لئے تیار نہیں ہوتا کہ ہم یہ کام کیوں کر رہے ہیں، عادتاً کر رہے ہیں یا عبادۃً کر رہے ہیں اس کو حدیث کی اصطلاح میں ایمان اور احتساب کہتے ہیں۔

تو ایک چیز تو یہ ہے اس سے بہت غفلت ہے اور اس سے غفلت کی وجہ سے ہم بہت بڑے ثواب سے محروم ہیں اور روحانی ترقی سے بھی کہ ہم جو بھی کام کریں اللہ کی رضا کے لئے کریں اس پر اللہ تعالیٰ نے اس ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ (افتتاح بخاری وختم بخاری۔ حدیث پڑھنے اور فارغ ہونے والے طلبا کے لئے چند اہم نصیحتیں)

''اخلاص کا فقدان''، دین میں بہت بڑا اشگاف ہے

ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب کا ایک مدرسہ جانا ہوا، وہاں کے ذمہ داروں نے حضرت والا سے درخواست کی کہ مدرسۂ ھٰذا کے مدرسین کے مابین کچھ اختلافات ہیں؛ اس لیے اساتذہ کو کچھ نصیحت فرمادیں۔ تو حضرت والا نے کچھ قیمتی باتیں ان سے فرمائیں، جس میں اخلاص کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ دین کی خدمت کرنے والوں میں اخلاص کا ہونا بہت ضروری ہے، اخلاص کا فقدان دین کے کاموں میں، مدارس میں، مساجد میں، دینی اداروں میں، بہت بڑا اشگاف ہے، جس سے

شیطان کا حملہ بہت آسانی کے ساتھ ہوجاتا ہے اور وہ ہمارے ایمان و اعمال پر حملے میں کامیاب ہوجاتا ہے، جیسے ''حضرت ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ'' کے واقعات میں لکھا ہے کہ ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جو''سری رنگا پٹنم'' میں انتہائی مضبوط قلعہ بنایا تھا تاکہ دشمن حملہ نہ کرسکے، اسی قلعے میں دشمنِ اسلام ''انگریز'' ایک شگاف بنا کر قلعے میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ ہوا یہ کہ ان کے ایک وزیر میر صادق نے حضرت ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ سے غداری کی اور انگریزوں سے اس نے ساز باز کرلی؛ اسی کے اشارے سے انگریزی فوج نے اس قلعے میں ایک جگہ شگاف ڈال دیا اور اس سے اندر جانے میں کامیاب ہوگئے، یہاں تک کہ اسی کے بعد جنگ میں ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا روح فرسا اور انتہائی دردناک والم انگیز واقعہ پیش آیا۔

حضرت والا نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ کے قلعے میں شگاف پڑ جانے سے بھی کہیں زیادہ بھاری نقصان دینی خدام میں اخلاص کے نہ ہونے کی وجہ سے جو شگاف پڑتا ہے اس سے ہوتا ہے، جس کی تلافی بھی نہ ہوسکے گی، وہاں تو صرف ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ شہید ہوگئے اور ان کی قلعے کی عمارت منہدم ہوگئی اور حضرت ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ کی حکومت ختم ہوگئی تھی؛ لیکن یہاں دین وایمان کی عمارت منہدم ہوجائے گی اور ظاہر ہے کہ دین کا نقصان سب سے بھاری نقصان ہوتا ہے اور اخلاص کے فقدان کا شگاف ایسا خطرناک ہوتا ہے، جس سے بہت سارے فتنوں کو اندر آنے کا موقعہ ملتا ہے، بہت سارے مدارس، ذمہ داروں اور مدرسین میں اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے تباہی وبربادی کا شکار ہوچکے ہیں، بڑے بڑے مدارس

میں تالا لگ چکا ہے، وجہ صرف یہ ہے کہ مقصود اللہ کی رضا نہ ہونے کی وجہ سے آپس میں اختلافات پیدا ہو گئے ،نوبت یہاں تک پہنچی کہ مدارس بند ہو گئے یا دوٹکڑے ہو گئے ،اس کے برخلاف جن میں اخلاص ہوتا ہے ان کا انداز ہی نرالا ہوتا ہے مخلصین وغیر مخلصین میں بَیِّن (واضح) فرق ہوتا ہے اور اللہ کی رضا کے لیے کام کرنے والا ہر کام میں یہ سوچتا ہے کہ میرے کام سے اللہ خوش ہو جائے اور جو یہ سوچ کر کام کرے، وہ کہاں دنیا کے جھگڑوں میں پڑے گا، وہ کہاں اختلاف کرتا پھرے گا۔

پھر فرمایا کہ پانچ باتیں ہیں ،جن پر عمل کرنے سے مدارس ترقی کریں گے: (۱) سب سے پہلے تو اخلاص ہو، جیسا کہ عرض کر چکا ہوں (۲) دوسرے یہ کہ مدرسے میں جو بھی اصول ونظام بنایا جائے اس پر عمل کریں ،مثلاً اوقات جو طے کر دیے جائیں، اس کی مکمل پابندی کی جائے ،اسی طرح جو ذمہ داریاں متعین کی جائیں ان کو پورا پورا نبھانے کی کوشش کرے۔جب تک اصول کی پابندی نہیں ہوگی کوئی کام صحیح نہیں ہوگا۔(۳) تیسرے یہ کہ مدرسے میں رہنے والوں میں بھائی چارگی ہو، ہر ایک دوسرے کو اپنا بھائی خیال کرے، سب ایک دوسرے کو اپنا معاون سمجھیں اور اسی طرح آپسی معاملہ کریں (۴) چوتھے یہ کہ بچوں کے ساتھ محبت وشفقت کا برتاو کیا جائے ؛ کیوں کہ ہم خدامِ مدارس ہی ان کے دراصل باپ وماں اور بھائی ،بہن سب کچھ ہیں، ان کی ضروریات کا لحاظ رکھا جائے ،ان کی طبیعت کی فکر کی جائے وغیرہ (۵) پانچویں بات یہ ہے کہ اپنی منزل اور مقصود پر ہمیشہ نظر رہے کہ مجھے کہاں تک پہنچنا ہے۔ جیسے ایک بلڈنگ بنانے والا پہلے متعین کر لیتا ہے کہ مجھے کیسی اور کتنی منزل والی

عمارت بنانا ہے، یا کوئی اور کام کرنے والا اپنا ٹارگیٹ (TARGET) مقرر کرتا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے؟ اور مقصود اس کام سے کیا ہے، پھر سب کام و خدمات اسی کے مطابق انجام دیتا رہے۔ (فیضانِ معرفت جلدِ دوم)

اخلاص صرف صحبتِ اہل اللہ سے نصیب ہوتا ہے

اسی لیے اہل اللہ کی صحبت کی ضرورت پڑتی ہے، وہ بتاتے ہیں کہ دیکھو یہ دکھاوا ہے ریا ہے۔ لہٰذا اخلاص کی دولت ملتی ہے خانقاہوں سے۔ اللہ والوں کی صحبت سے ہاضمہ ملتا ہے کہ بندہ بڑی سے بڑی عبادت کر کے بھی نہیں اِتراتا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتّی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری لکھی اور اس میں اپنا نام بھی نہیں آنے دیا۔ اپنی تفسیر کا نام اپنے شیخ حضرت مظہر جانِ جاناں کے نام پر تفسیر مظہری رکھ دیا۔ آج دنیا ان کی اس تواضع کی مدّاح ہے کہ اتنی بڑی کتاب لکھی اور اس میں اپنا نام تک نہیں آنے دیا۔ یہی تواضع تو ملتی ہے اللہ والوں سے اور سارے عالم کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے کہ بڑے ہو کر بھی اپنے کو کچھ نہیں سمجھتے۔

قیامت ہے ترے عاشق کا مجبورِ بیاں رہنا

سراپا داستاں ہوتے ہوئے بے داستاں رہنا

یعنی سب کچھ سینے میں لیے ہیں اور زبان خاموش ہے۔ کہتے ہیں کہ بھئی! ہمارے پاس کیا ہے؟ کچھ نہیں ہے۔ (صحبت اہل اللہ کی اہمیت اور اس کے فوائد)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فنائیت اور اخلاص

حالتِ جنگ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سپہ سالار اور کمانڈر ان چیف کو معزول کر کے سپاہی بنا دیا جاتا ہے، اگر آج کل کا کمانڈر ان چیف ہوتا تو کہتا کہ اچھا! مجھ جیسے کمانڈر کو آپ نے سپاہی بنا دیا، ایسی تیسی ایسی نوکری کی، اب میں لڑتا بھی نہیں ہوں اور بددعا بھی دے گا کہ اللہ کرے ہماری فوج یہ جنگ ہار جائے تاکہ میرا نام ہو کہ اس کے سپہ سالار نہ رہنے کی وجہ سے شکست ہوگئی لیکن جب خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ کو کمانڈر ان چیف سے اتار کر سپاہی بنایا گیا تو انہوں نے تلوار لے کر سپاہیوں کے ساتھ عام عسکری اور فوجی کی طرح لڑنا شروع کر دیا اور آپ نے اعلان فرمایا: اے لوگو! جس طرح میں کمانڈر ان چیف اور سپہ سالاری کی حالت میں فوج کے اور لشکر کے امیر کی حالت میں لڑ رہا تھا اسی طرح میں اب بھی اللہ کے لیے بحیثیتِ سپاہی اللہ کے راستے میں لڑوں گا اور جان دینے کی راہیں تلاش کروں گا اور خالد کی تلوار ویسے ہی چلے گی جیسے پہلے چلتی تھی اور اس میں میری عزت کو کوئی نقصان نہیں، عزت اللہ کے ہاتھ میں ہے، ہمارے امیر المؤمنین نے ہمیں معزول کر دیا ہے، لہٰذا خلیفہ کی اطاعت بھی ہمارے اوپر اللہ کی طرف سے واجب ہے۔ یہ ہے فنائے نفس۔

یہ کیا کہ شیخ نے کسی غلطی پر ذرا سا ڈانٹ دیا تو کہنے لگے کہ آپ نے سب کے سامنے ہم کو یوں کہہ دیا۔ جو ظالم مرید شیخ سے اس طرح سے کہہ دے کہ آپ نے سب کے سامنے میرا خیال بھی نہیں کیا اور ڈانٹ دیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ظالم نسبت مع النفس رکھتا ہے، اسے ابھی نسبت مع الشیخ کی ہوا بھی نہیں لگی۔ آہ! بڑی مشکل سے نفس مٹتا ہے۔

آ ئینہ بنتا ہے رگڑ ے لا کھ جب کھا تا ہے د ل
کچھ نہ پو چھو د ل بڑ ی مشکل سے بن پا تا ہے د ل

یہ امتحان کا موقع ہوتا ہے۔ جو شخص بوقتِ شہوت، بوقتِ غضب اللہ کو یاد رکھتا ہے، شہوت کی حالت میں بھی اللہ کی حدود کی رعایت کرتا ہے، غضب کی حالت میں بھی اللہ کی حدود کی رعایت کرتا ہے وہ با حیا اور وفادار ہے۔ اگر شیخ پاس میں موجود ہے یا وہ شیخ کے پاس خانقاہ میں قیام کیے ہوئے ہے تو حالتِ غضب میں بھی اپنی آواز کو بلند نہیں ہونے دیتا، اسبابِ اذیتِ شیخ سے احتیاط کرتا ہے، اپنے نفس کو مٹا کر خاک کرتا ہے، اگرچہ اس کی طاقت شیروں جیسی ہے لیکن نزول کر کے وہ اپنے کو مثلِ چوہا کر دیتا ہے۔ (حقوق الوالدین)

اللہ کے راستہ میں اخلاصِ نیت کے ساتھ نکلنا چاہئے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے) پوچھا: یا رسول اللہ! ایک آدمی جہاد میں اس نیت سے جاتا ہے کہ اسے دنیا کا کچھ سامان مل جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے کچھ اَجر نہ ملے گا۔ لوگوں نے اس بات کو بہت بڑا سمجھا اور اس آدمی سے کہا: تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا کر دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھو، شاید تم اپنی بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھا نہیں سکے ہو۔ اس آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! ایک آدمی جہاد میں اس نیت سے جاتا ہے کہ وہ دنیا کا کچھ سامان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے کوئی اَجر نہیں ملے گا۔ لوگوں نے اس بات کو بہت بڑا

سمجھا اور اس آدمی سے کہا: جاؤ، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھو۔ چناں چہ اس نے تیسری مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ ایک آدمی جہاد فی سبیل اللہ میں اس نیت سے جانا چاہتا ہے کہ اسے دنیا کا کچھ سامان مل جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے کوئی اَجر نہیں ملے گا۔

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ ذرا یہ بتائیے کہ ایک آدمی غزوہ میں شریک ہو کر ثواب بھی حاصل کرنا چاہتا ہے اور لوگوں میں شہرت بھی، تو اسے کیا ملے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے کچھ نہیں ملے گا۔ اس آدمی نے اپنا سوال تین مرتبہ دُہرایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر دفعہ اسے یہی جواب دیتے رہے کہ اسے کچھ نہیں ملے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول فرماتے ہیں جو خالص ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا گیا ہو۔

حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں میں ایک پردیسی آدمی رہتا تھا اسے کوئی جانتا نہیں تھا کہ وہ کون ہے؟ لوگ اسے قزمان کہتے تھے۔ جب بھی اس کا تذکرہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ یہ تو دوزخ والوں میں سے ہے۔ جنگِ اُحد کے دن اس نے خوب زور شور سے لڑائی کی اور اس نے اکیلے ہی سات آٹھ مشرکوں کو قتل کر ڈالا اور وہ بڑا جنگ جو اور بہادر تھا۔ آخر وہ زخموں سے نڈھال ہو گیا تو اسے بنوظفر کے محلہ میں اُٹھا کر لایا گیا تو بہت سے مسلمان اسے کہنے لگے: اے قزمان! آج تو تم بڑی بہادری سے لڑے ہو۔ تمہیں خوش خبری ہو! اس نے کہا: مجھے کس چیز کی خوش خبری ہو؟ اللہ کی قسم! میں نے تو صرف اپنی قوم کی ناموری کے لیے یہ لڑائی لڑی ہے، اگر میرا

مقصد یہ نہ ہوتا تو میں ہرگز نہ لڑتا۔ چناں چہ جب اس کے زخموں کی تکلیف بڑھ گئی تو اس نے اپنی ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور اس سے خودکشی کر لی۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایسا آدمی بتاؤ جو جنت میں تو جائے گا لیکن اس نے نماز کوئی نہیں پڑھی؟ جب لوگ اس کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کرتے تو اُن سے پوچھتے کہ وہ کون ہے؟ تو وہ فرماتے کہ وہ بنوعبدالاشہل کے اُصَیرِم ہیں جن کا نام عمرو بن ثابت بن وَقش ہے۔ حضرت حصین فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت محمود بن لبید ؓ سے پوچھا کہ حضرت اُصَیرِم کا کیا قصہ ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ اُن کی قوم اُن کو اسلام کی دعوت دیا کرتی تھی لیکن یہ ہمیشہ اِنکار کر دیتے تھے۔ جنگِ اُحد کے دن ان کے دل میں ایک دم اسلام لانے کا خیال پیدا ہوا اور وہ مسلمان ہو گئے اور اپنی تلوار لے کر چل پڑے اور ایک کنارے سے مجمع میں جا کر لڑائی شروع کر دی یہاں تک کہ زخموں سے نڈھال ہو کر گر پڑے۔ (لڑائی کے بعد) قبیلہ بنوعبدالاشہل کے لوگ میدانِ جنگ میں شہید ہونے والے اپنے ساتھیوں کو تلاش کرنے لگے تو اُن کی نگاہ حضرت اُصَیرِم پر پڑی تو وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہ تو اُصَیرِم ہیں۔ یہ یہاں کیسے آ گئے؟ ہم تو ان کو (مدینہ میں) چھوڑ کر آئے تھے اور یہ تو ہمیشہ (اِسلام کی) اس بات کا انکار کیا کرتے تھے، تو ان لوگوں نے حضرت اُصَیرِم سے پوچھا: اے عمرو! آپ یہاں کیسے آئے؟ اپنی قوم کی ہمدردی میں یا اِسلام کے شوق میں؟ انھوں نے کہا: نہیں، اِسلام کے شوق میں۔ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور مسلمان ہو گیا، پھر میں اپنی تلوار پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چل پڑا اور میں نے لڑنا شروع کر دیا یہاں

تک کہ میں اتنا زخمی ہو گیا۔ اتنا کہنے کے تھوڑی دیر بعد ہی اُن کے ہاتھوں میں حضرت اُصَیرِم کا انتقال ہو گیا۔ ان لوگوں نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اُن کا سارا واقعہ ذکر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: وہ جنت والوں میں سے ہیں۔ (لہٰذا انھیں اِسلام لانے کے بعد ایک نماز پڑھنے کا بھی موقع نہیں ملا)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرو بن اُقَیش رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت میں سود پر قرض دیا ہوا تھا وہ اِسلام لانے کے لیے تیار تو ہو گئے تھے لیکن سود کا مال وصول کرنے سے پہلے مسلمان ہونا نہیں چاہتے تھے۔ غزوۂ اُحد کے دن وہ آئے اور انھوں نے پوچھا کہ میرے چچا زاد بھائی کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ تو (اس وقت) اُحد میں ہیں۔ انھوں نے کہا: اُحد میں؟ وہ زرہ پہن کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور پھر اپنے چچا زاد بھائیوں کی طرف چل پڑے۔ جب مسلمانوں نے اُن کو (آتے ہوئے) دیکھا تو (اُن سے) کہا: اے عمرو! ہم سے پَرے رہو۔ انھوں نے کہا: میں تو ایمان لا چکا ہوں۔ اس کے بعد انھوں نے (کافروں سے) خوب زور شور سے جنگ کی یہاں تک کہ زخمی ہو گئے، پھر اُن کو زخمی حالت میں اٹھا کر اُن کے گھر والوں کے پاس پہنچایا گیا۔ وہاں اُن کے پاس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے اُن کی بہن سے کہا کہ ان سے پوچھو کہ (یہ غزوۂ اُحد میں) اپنی قوم کی حمایت میں (شریک ہوئے تھے) یا اللہ اور اس کے رسول کی وجہ سے غصہ میں آ کر؟ انھوں نے کہا: نہیں، اللہ اور اس کے رسول کی وجہ سے غصہ میں آ کر (غزوۂ اُحد میں شریک ہوا تھا)۔ اس کے بعد اُن کا انتقال ہو گیا اور یہ جنت میں داخل ہو گئے حالاں کہ اُن کو اللہ کے لیے ایک بھی نماز پڑھنے کا موقع نہ ملا۔

حضرت شدّاد بن ہادؓ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ پر ایمان لایا اور آپ کی پوری طرح اتباع کی۔ چنانچہ اس نے کہا کہ میں بھی ہجرت کر کے آپ کے ساتھ رہوں گا۔ جب غزوۂ خیبر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مالِ غنیمت ملا تو آپ نے وہ صحابہ میں تقسیم فرما دیا۔ آپ نے اس مالِ غنیمت میں سے اس کا حصہ اس کے ساتھیوں کو دے دیا، وہ اس وقت اپنے ساتھیوں کے جانور چرانے گیا ہوا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو ساتھیوں نے اس کا حصہ دیا تو اس نے کہا: یہ کیا ہے؟ ساتھیوں نے کہا: یہ تمہارا حصہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے لیے دیا ہے۔ اس نے (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا کر) عرض کیا: میں نے اس (مال لینے) کے لیے تو آپ کا اتباع نہیں کیا تھا۔ میں نے آپ کا اتباع اس لیے کیا تھا تا کہ مجھے (گلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہاں تیر لگے اور میں مر جاؤں اور میں جنت میں چلا جاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہاری نیت سچی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پورا فرما دیں گے۔ پھر صحابہ دشمن سے لڑنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ (یہ دیہاتی بھی لڑائی میں شریک ہوئے اور زخمی ہو گئے) اور ان کو اُٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، اور جہاں اس نے اشارہ کر کے بتایا تھا وہاں ہی اسے تیر لگا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ وہی ہے؟ صحابہ نے کہا: جی ہوں۔ آپ نے فرمایا: اس کی نیت سچی تھی اس لیے اللہ نے پوری کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے جبّہ میں کفن دیا۔ اور اس کا جنازہ آگے رکھ کر آپ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور نمازِ جنازہ میں اس کے لیے دعا کرتے ہوئے آپ کے یہ الفاظ ذرا اونچی آواز سے سنے گئے: اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے، تیرے راستہ میں ہجرت کر کے نکلا تھا، اور اب یہ شہید ہو کر قتل ہوا ہے اور میں اس کا گواہ ہوں۔

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں کالے رنگ کا آدمی ہوں۔ میرا چہرہ بدصورت ہے اور میرے پاس مال بھی کچھ نہیں ہے۔ اگر میں ان کفار سے لڑتے ہوئے مرجاؤں تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! (یہ سن کر) وہ آگے بڑھا اور کافروں سے لڑائی شروع کر دی یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے وہ شہید ہو چکے تھے، تو آپ نے فرمایا: اب تو اللہ تعالیٰ نے تمہارا چہرہ خوبصورت بنا دیا ہے اور تجھے خوشبودار بنا دیا ہے اور تمہارا مال زیادہ کر دیا ہے۔ اور فرمایا کہ میں نے حورالعین میں سے اس کی دو بیویاں دیکھی ہیں جو اُس کے جسم اور اُس کے جُبّہ کے درمیان داخل ہونے کے لیے جھگڑ رہی ہیں۔

حضرت مالک بن اَوس بن حدثان ؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگوں نے ایک لشکر کا تذکرہ کیا جو حضرت عمر ؓ کے زمانے میں اللہ کے راستہ میں شہید ہو گیا تھا۔ چنانچہ ہم میں سے کسی نے تو یہ کہا کہ یہ سب اللہ کے لیے کام کرنے والے تھے اور اللہ کے راستہ میں نکلے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ ان کو ضرور اَجر وثواب عطا فرمائیں گے۔ اور کسی نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اُن کو قیامت کے دن اسی نیت پر اٹھائیں گے جس پر اللہ نے اُن کو موت دی ہے۔ اس پر حضرت عمر ؓ نے فرمایا: ہاں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اللہ ان کو اسی نیت پر اٹھائیں گے جس پر اللہ نے ان کو موت دی ہے، کیوں کہ کوئی آدمی تو دِکھلاوے اور شہرت کے لیے لڑتا ہے، اور کوئی دنیا لینے کے لیے لڑتا ہے، اور کسی کو جنگ سے بچنے کا راستہ نہیں ملتا ہے اس لیے وہ مجبور ہو کر لڑتا ہے، اور

کوئی اللہ سے ثواب لینے کے لیے لڑتا ہے اور ہر طرح کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔ یہ (ثواب کے لیے لڑنے والے) ہی شہید ہیں، لیکن مجھے بھی معلوم نہیں ہے کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ ہاں! اتنی بات مجھے ضرور معلوم ہے کہ اس قبر والے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو چکے ہیں۔

حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی مجلس میں شہیدوں کا تذکرہ آیا، تو حضرت عمر نے لوگوں سے پوچھا: تم شہید کسے سمجھتے ہو؟ لوگوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! ان جنگوں میں جو مسلمان قتل ہو رہے ہیں وہ سب شہید ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: پھر تو تمہارے شہدا بہت ہو جائیں گے۔ میں تمہیں اس بارے میں بتاتا ہوں۔ بہادری اور بزدلی لوگوں کی طبعی چیزیں ہیں، اللہ جس کی طبیعت جیسی چاہیں بنا دیں۔ بہادر آدمی تو جذبہ سے لڑتا ہے اور اپنے گھر والوں کے پاس واپس جانے کی پروا بھی نہیں کرتا، اور بزدل آدمی اپنی بیوی کی وجہ سے (میدانِ جنگ سے) بھاگ جاتا ہے۔ اور شہید وہ ہے جو اللہ سے اَجر و ثواب لینے کی نیت سے اپنی جان پیش کرے۔ اور (کامل) مہاجر وہ ہے جو اُن تمام چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے روکا ہے۔ اور (کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے سارے مسلمان محفوظ رہیں۔

حضرت ضِمام فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن زُبیرؓ نے اپنی والدہ حضرت اسماء کے پاس پیغام بھیجا کہ تمام لوگ مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں، اور یہ (میرے مخالف) لوگ مجھے صلح کی دعوت دے رہے ہیں۔ تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ اگر تم اللہ کی کتاب کو اور اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو زندہ کرنے کے لیے نکلے تھے

تو پھر تمہیں اسی حق بات پر جان دے دینی چاہیے، اور اگر تم دنیا لینے کے لیے نکلے تھے تو پھر نہ تمہارے زندہ رہنے میں خیر ہے اور نہ مر جانے میں۔ (حیاۃ الصحابہ اردو جلد 1 ص/ 487-490)

اخلاص یعنی سچی نیت کرنا

دین کا جو کام کرے اس میں رضائے الٰہی کی نیت کرے، دنیا کا کوئی مطلب نہ ہو، نہ دکھلاوا ہو کہ لوگ بزرگ سمجھیں وغیرہ۔ اسی طرح مثلاً پیٹ میں درد ہو اور بھوک نہ ہو، تو روزہ رکھ لیا کہ معدہ صحیح اور ہلکا ہو جائے گا۔ اسی طرح گرمی لگ رہی ہے اس نیت سے تازہ وضو کیا کہ ٹھنڈک حاصل ہو یا کسی سائل کو اس نیت سے دیا کہ یہ بلا ٹل جائے۔ یہ سب باتیں سچی نیت کے خلاف ہیں۔ جب کوئی عبادت کرے تو دل کو ہر اس غرض سے خوب صاف کر لے جو رضائے حق کے علاوہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو دکھلانے کے لیے عمل کرتا ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے عیب دکھلائیں گے۔ (صحیح البخاری: 962/2 (6538)، باب الریاء والسمعۃ، المکتبۃ المظہریۃ)

اور ارشاد فرمایا کہ تھوڑا سا دکھلاوا (ریا) بھی ایک طرح کا شرک ہے۔ (سنن ابن ماجۃ: 424/2 (3989)، باب ترجی لہ السلامۃ من الفتن، المکتبۃ الرحمانیۃ)

ریا کے خوف سے اچھے عمل کو ترک کرنا بھی ریا ہے

شیطان اکثر ریا کے خوف سے اچھے اچھے اعمال کرنے سے روکتا ہے اور وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہ نیک کام کرو گے تو دِکھاوا ہو جائے گا، تو معلوم ہونا چاہیے کہ ریا کے خوف سے

نیک عمل کا ترک کرنا خود ریا ہے یعنی جس طرح مخلوق کے لیے کوئی کام کرنا ریا ہے، اسی طرح مخلوق کے جان لینے یا دیکھ لینے کے خوف سے نیک عمل کو ترک کرنا بھی ریا ہے۔ پس شیطان کو یہ جواب دے کہ جب ہمارا ارادہ مخلوق کو دکھانے کا نہیں ہے تو پھر ریا یعنی دکھاوا کیسے ہوگا؟ ہم تو ریا کو بُرا سمجھتے ہیں اور فوراً اعمالِ صالحہ میں لگ جائے خواہ کوئی دوست یا رشتہ دار سامنے ہو، وسوسہ کا کچھ خیال نہ کرے، ریا کے خیال اور وسوسے سے ریا نہیں ہوتا جب تک دکھانے کا ارادہ نہ کرے۔ اس طرح جب آپ وسوسوں اور خیالات کی پروانہ کرتے ہوئے اچھے عمل کریں گے، تو شیطان عاجز ہوکر خود دفع ہوجائے گا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ریا ہمیشہ ریا نہیں رہتی، کوئی اوّل ریا سے کام کرتا ہے پھر ریا سے عادت ہوجاتی ہے پھر عادت عبادت اور اخلاص سے تبدیل ہوجاتی ہے۔ حضرت خواجہ صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو شعر بنا دیا ہے؎

وہ ریا جس پر تھے زاہد طعنہ زن
پہلے عادت پھر عبادت ہوگئی

خلاصہ یہ کہ جو ریا بلا ارادہ ہو اس کی پروانہ کرے اور اس کی وجہ سے عمل کو ترک نہ کرے۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کی ابتداء بڑی حکمت سے کی ہے اور اس میں توفیق الٰہی شامل ہے کہ کہ انھوں نے سب سے پہلے یہ حدیث ذکر کی ہے:

إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو إلى امرأة ينكحها فهجرته إلى ما هاجر إليه۔ (بخاری کتاب الایمان)

(اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، ہر آدمی کو وہی ملے گا جیسی اس کی نیت ہوگی جس نے ہجرت حصول دنیا کے لئے یا کسی عورت سے شادی کے لئے کی ہوگی تو اسی کی طرف اس کی ہجرت ہوگی، یعنی اس کو ہجرت کرنے کا اجر نہیں ملے گا۔)

اس حدیث سے کتاب کی ابتداء میں امام بخاریؒ کے دو اہم مقاصد ہیں، پہلا مقصد تو یہ ہے کہ امام صاحب نے یہ اشارہ فرمادیا کہ ان کا جمع وتالیف کا عمل محض رضائے الٰہی کے حصول اور ثواب کی امید میں ہے،اور اس لئے ہے کہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو صحیح سندوں سے ثابت ہے اس کو عام طور پر مسلمانوں اور خاص طور پر علماء اور حدیث سے اشتغال رکھنے والوں تک پہونچایا جائے۔

دوسرا مقصد امام صاحب کا یہ ہے کہ وہ پڑھنے والوں کو بھی تصحیح نیت کی دعوت دیں ،اور رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ یاددلائیں ،اس طرح یہ حدیث شریف کسی بھی کتاب کے لئے بہترین دیباچہ اور مقدمہ ہے۔

علم حدیث کے طلبہ اور مطالعہ کرنے والوں کے لئے سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ وہ اپنی نیتوں کی تصحیح کریں ،اپنے اندر اخلاص واحتساب پیدا کریں ،تقرب الی اللہ کا جذبہ بیدا کریں ،اس کے ثواب اور توفیق کی امید رکھیں ،اور طلب دنیا اور مادی اغراض ومقاصد کو دل سے نکال دیں ،شہرت ونا موری اور حصول دنیا کا جذبہ ان کے اندر نہ ہو، اگر بغیر قصد وارادہ کے بھی یہ بات دل میں پیدا ہوتو اس کو کھرچ دیں۔

اخلاص کے بغیر جہاد معتبر نہ شہادت قبول

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمر نے فرمایا کہ خیبر کے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آئے اور اطلاع دی کہ فلاں شہید ہو گیا اور فلاں شہید ہو گیا حتی کہ ذکر کرتے کرتے ایک اور شخص کا نام لیا کہ فلاں بھی شہید ہو گیا آپ نے (اُس شخص کا نام سن کر یکدم) فرمایا كَلَّا اِنِّىْ رَأَيْتُهٗ فِى النَّارِ ہرگز نہیں میں نے اسے جہنم میں دیکھا ہے یعنی جسے تم شہید سمجھ رہے ہو فی الحقیقت وہ شہید نہیں کیونکہ میں نے اسے آگ میں جلتے دیکھا ہے، شہید تو وہ ہوتا ہے جسے یہاں سے جاتے ہی جنت مل جاتی ہے، شہید سے اللہ تعالیٰ کے یہاں سوال بھی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں اُسے ڈھانپ لیتی ہیں۔ اُسے غسل بھی نہیں دیا جاتا اور خون آلود کپڑوں میں دفن کیا جاتا ہے قیامت کے روز اُس کے زخموں سے مشک کی سی خوشبو آئے گی اُس کا رنگ خون کا سا رنگ ہو گا۔

چونکہ انسان کی جان سب سے قیمتی چیز ہے اور جب وہ اللہ کی راہ میں لٹا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کے انعامات سے نوازتے ہیں، شہید اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کر کے اُس کی رضوان وخوشنودی حاصل کر لیتا ہے باقی صالحین اپنی اپنی قبروں میں آرام فرما ہوتے ہیں مگر شہداءِ کرام کو شہادت کے بعد ہی جنت میں جانے کی اجازت مل جاتی ہے اور وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے رہتے ہیں۔

آقائے نامدار نے شہداء کی بہت فضیلتیں بیان فرمائی ہیں ہر مسلمان کو چاہیے کہ شہید ہونے کی خواہش رکھے ہر وقت شہادت کا متمنی رہے اگر شہادت نہ بھی ملی تو اللہ کے فضل سے اُسے خواہش کے سبب شہادت کا ثواب مل جائے گا۔

صحابہ کرام نے جب اُس شخص کے بارے میں یہ خبر دی کہ وہ شہید ہو گیا تو آپ نے جواب دیا کہ ایسا ہر گز نہیں ہوسکتا! وجہ اِس کی یہ بتلائی کہ چونکہ میں نے اسے آگ میں دیکھا ہے اور آگ میں جانا شہید کی شان کے منافی ہے پھر آگ میں جانے کی وجہ بتائی کہ فِيْ بُرْدَةٍ غَلَّهَا اَوْعَبَاءَةٍ۔ (مشکوۃ شریف کتاب الجھاد باب قسمۃ الغنائم والغلول فیھا رقم الحدیث ٤٠٣٤)

یعنی اس نے مالِ غنیمت میں سے اپنے لیے ایک چادر یا ایک عباء نکال لی تھی۔

چونکہ مالِ غنیمت لوٹ کا مال نہیں ہے کہ جو جس کے ہاتھ آیا اُس کا ہو جائے بلکہ اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ تمام شرکائے جہاد میں یہ مال تقسیم ہوگا، تقسیم سے پہلے ہر مجاہد ہر شے میں شریک ہے اس لیے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ شرکاء کی اجازت کے بغیر کسی چیز پر قبضہ کرے! ہاں جب امام (جنرل) تقسیم کر دے گا تو اس کے لیے حلال ہوگا۔

آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کی نیت صحیح نہ تھی وہ رضائے الٰہی کی طلب میں شریکِ جہاد نہ ہوا تھا بلکہ حصولِ مال کی غرض سے جہاد میں شریک ہوا تھا اسی لیے تو اُسے اتنی سخت (آگ والی) سزا ملی۔

تو نیت اگر اچھی نہ ہو تو اچھا فعل اور بہترین عمل بھی بیکار ہوتا ہے جان جیسی قیمتی چیز بھی اگر دے دی جائے اور نیت صحیح نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی اجر نہیں ملے گا، نیت جتنی اچھی ہوگی اللہ کے یہاں اُس کی اُتنی ہی زیادہ قدر ہوگی خواہ کام معمولی ہی کیوں

نہ ہو گویا حسنِ نیت بہت ضروری ہے۔اس کے بعد آپ نے حضرت عمر سے ارشاد فرمایا کہ اے ابن خطاب جاؤ اور اعلان کردو کہ جنت میں صرف ایمان والے جائیں گے تین دفعہ آپ نے یہ فرمایا۔حضرت عمر کہتے ہیں کہ پھر میں گیا اور آواز دی کہ خبردار! جنت میں مومن ہی جائیں گے تین مرتبہ یہ اعلان کیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان پر قائم رکھے، ہر کام میں حسنِ نیت کی توفیق بخشے، ریا کاری اور دکھاوے کے کاموں سے بچائے رکھے،اپنی راہ میں جان قربان کرنے کی سعادت نصیب فرمائے،آمین۔(بحوالہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۲۶ ستمبر ۱۹۶۹)

جس کے اندر تعصب ہوگا اخلاص پیدا نہیں ہوگا

چنانچہ قوم مصر (قبطی) جو فراعنہ مصر کی قوم تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل (سورہ بقرہ: ۵۹) پر تعصب کی بنیاد پر بے پناہ ظلم ڈھاتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کو حق نہیں مانتے تھے خود اللہ کے سچے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود اور منافقین مدینہ باطنی طور پر آپ کو سچا نبی جانتے اور پہچانتے تھے لیکن تعصب کی وجہ سے آپ پر اخلاص کے ساتھ ایمان نہ لاتے تھے۔

قرآن کریم نے ان کی اس باطنی متعصّبانہ روش کا یوں پردہ چاک کیا: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمُ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ (الانعام:۲۰)

جن کو ہم نے کتاب دی اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے تھے جیسا کہ اپنے بیٹوں

کو پہچانتے ہیں، جنہوں نے اپنی جان نقصان میں ڈالی وہ ایمان نہیں لائے۔ اسی طرح مشرکین مکہ کے بعض سردار اسلام کو حق جانتے تھے لیکن اسلام قبول کرنے میں اس لئے تاخیر کررہے تھے کہ بنی ہاشم ان سے ہر لحاظ سے فوقیت لیتے جارہے تھے ان میں حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کیا۔ اس طرح تعصب کی وجہ سے حق قبول نہ کرنے کے واقعات تاریخ اسلام اور تاریخ عالم میں بھرے پڑے ہیں۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قوم یمامہ کے ایک شخص مسیلمہ کذاب نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تو اس کی قوم محض تعصب کی وجہ سے اس کی حمایت پر کھڑی ہوگئی تھی اور اہل یمامہ کہتے تھے کہ مضر کا نبی سچا ہے (یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) لیکن مضر کے سچے نبی سے ہم کو اپنے قبیلہ کا جھوٹا نبی عزیز ہے (معاذ اللہ) یہ ہے تعصب کا نتیجہ کہ اتنی بڑی سچائی کو جانتے ہوئے بھی حق بات تسلیم نہ کرنا سراسر محرومی اور دین وملت اور معاشرہ کے لئے بہت ہی خطرناک بات ہے۔ تعصب انسان کو ترقی کی راہ سے روکتا ہے اور ذہنی طور پر الجھنوں کا شکار ہوتا ہے کبھی اسے چین وسکون نصیب نہیں ہوتا اور اپنے غیر کو پنپتا ہوا دیکھتا ہے تو اس کی نیندیں حرام ہوجاتی ہیں اور اس کو نقصان پہونچانے کی فکر میں ہمیشہ لگا رہتا ہے اس کا نقصان ہو یا نہ ہو مگر خود اس کا تو بہت ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ان برائیوں سے مسلم معاشرہ کو پاک وصاف رکھا جائے اگر عصبیت اور گروہ بندی ہمارے ذہن ودماغ میں ہوگی تو دنیوی ترقی بھی نہیں کرسکتے اور اخروی ترقی بھی ہمارے لئے ممکن نہ ہوگی۔ (خطبات حبان جلد نہم، ص/52)

شیخ بننے کے لئے بھی مجاہدہ کرنا اخلاص کے خلاف ہے

فرمایا: مرید ہونے اور مرید کرنے میں پورے اہتمام کے ساتھ اخلاص کا خیال رکھنا لازم ہے، شیخ میں بھی اخلاص ہو (طلبِ جاہ و مال نہ ہو) اور مرید میں بھی اخلاص ہو اللہ کی رضا کے سوا کچھ اور مقصود نہ ہو، بعض اکابر سے سنا ہے کہ ایک مرید پر شیخ کی خاص توجہ تھی لیکن وہ اس میں اصلاح و فلاح کے آثار نہیں دیکھتے تھے، ایک دن مرید سے دریافت کرلیا کہ بھائی تمہارا مقصود کیا ہے؟ کہنے لگا کہ حضرت سے اللہ کا نام سیکھ کر میں بھی لوگوں کو بتلا دیا کروں گا، شیخ نے فرمایا کہ تیرا مقصود اللہ کی رضا نہیں ہے، نفس کے اندر چور ہے سارا مجاہدہ پیر بننے کے لئے ہے اسی لئے میری توجہ اور تیری محنت رائیگاں ہو رہی ہے معلوم ہوا کہ شیخ بننے کے لئے محنت و مجاہدہ کرنا بھی اخلاص کے خلاف ہے، اسی کو فرمایا۔

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

ایک مرید نے شیخ سے کہا کہ حضرت میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میری انگلیوں سے پاخانہ اور آپ کی انگلیوں سے شہد نکل رہا ہے، یہ سنتے ہی شیخ نے فرمایا کہ اب ہم ہیں بھی ایسے! یعنی ہم اس لائق ہیں کہ انگلیوں سے شہد نکلے، مرید نے کہا کہ حضرت ابھی خواب باقی ہے اور وہ یہ کہ میں آپ کی انگلیاں چوس رہا ہوں اور آپ میری انگلیاں چوس رہے ہیں! اب تو شیخ کے ہوش اُڑ گئے، حضرت شیخ الحدیث صاحب قدّس

سرّہ نے فرمایا کہ اگر شیخ طالبِ دنیا ہوتو مریدوں سے اسے مالی نفع ہوتا رہے گا، لیکن ارشاد وتلقین کے ثواب سے محروم رہے گا، اور مرید اگر مخلص ہے اور غلطی سے کسی دنیادار کا مرید ہوگیا ہے اور شیخ کی تعلیم صحیح ہے تو مرید کو اپنے اخلاص کی وجہ سے نفع ہوتا رہے گا۔

فرمایا: جن کاموں کو لوگ خالص دنیا کا کام سمجھتے ہیں تلاش کر کے اگر ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا پہلو نکال لیا جائے تو ان میں بھی ثواب ملے گا۔ اگر کھانا کھانے میں یہ نیت کرے کہ اس سے جو طاقت آئے گی وہ آخرت کے کام میں لگے گی اور پیٹ میں بھوک کا احساس نہ ہوگا تو نماز بھی ٹھیک ہوگی ایسی نیت کرنے سے کھانے میں بھی ثواب مل جائے گا۔ خوب سمجھ لو۔

فرمایا: یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ گناہ کسی بھی نیت سے جائز نہیں ہوسکتا اور نہ نیکی بن سکتا ہے۔

فرمایا: گزشتہ مجلس میں اخلاص کے بارے میں کچھ عرض کیا گیا تھا یہ مضمون بہت ہی اہم ہے جو بھی کوئی کام کرنا ہو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا جائے، اگر اللہ کی رضا کے لئے نہیں تو اس کا کچھ ثواب نہیں۔ بلکہ اگر اس سے شہرت وجاہ مقصود ہو تو آخرت میں وبال ہوگا طلبِ علم ہو، تبلیغ ہو، تصنیف وتالیف ہو، جہاد ہو، ہجرت ہو، سب کی قیمت اسی وقت لگتی ہے جب اللہ کی رضا مقصود ہو اخلاص کا دعویٰ تو بہت سے لوگ کرتے ہیں، لیکن اپنے باطن کو ٹٹولا جائے تو بعض مرتبہ اخلاص کے معیار پر پورے نہیں اترتے، ہر شخص اپنا محاسبہ کرے، اور اپنے باطنی جذبات کا مراقبہ کرے۔ بار بار مراقبہ کرنے سے شہرت وریا کاری کے جذبات ختم ہوجاتے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری ص نے حضورِ اقدس ا کا ارشاد نقل کیا ہے کہ:

يَاأَيُّهَا النَّاسَ اتَّقُوا هَذَا الشِّرْكَ فَإِنَّهُ أَخْفَى مِنْ دَبِيْبِ النَّمْلِ۔

(لترغیب والترہیب ج ۱ ص ۷٦)

''اے لوگو! اس شرک سے بچو کیونکہ وہ چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے''۔

(یادگار صالحین، ص/ 194)

حضرت شیخ الہند کا اخلاص دیکھئے

حضرت شیخ الہندؒ کے اخلاص، صفائے باطن اور صدقِ نیت سے متعلق ہے، اور یہ حضرت کی حیاتِ مستعار کا بے حد تابناک گوشہ ہے، حضرت کے شاگرد رشید حضرت حکیم الامت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''ایک بار احقر کی درخواست پر مدرسہ جامع العلوم کانپور کے جلسہ دستار بندی میں رونق افروز ہوئے، اور احقر کے بے حد اصرار پر وعظ فرمانے کا وعدہ فرمایا، جامع مسجد میں وعظ شروع ہوا، جناب مولانا لطف اللہ صاحب علی گڈھی بھی کانپور تشریف لائے ہوئے تھے، میرے عرض کرنے پر جلسہ میں تشریف لائے اور عین اثنائے وعظ تشریف لائے، اس وقت ایک بڑا عالی مضمون بیان ہو رہا تھا، جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا، ہم لوگ خوش ہوئے کہ ہمارے اکابر کی نسبت معقولات میں مہارت کم ہونے کا شبہ آج جاتا رہے گا، اور سب دیکھ لیں گے کہ معقول کس کو کہتے ہیں، مولانا (شیخ الہندؒ) کی جوں ہی مولانا علی گڈھی پر نظر پڑی، فوراً وعظ بیچ ہی میں قطع کر کے بیٹھ گئے، مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ بوجہ ہم درس ہونے کے بے تکلف تھے، انہوں

نے دوسرے وقت عرض کیا کہ یہ کیا کیا؟ یہی تو وقت تھا بیان کا، فرمایا: ''یہی خیال مجھ کو آیا تھا'' اس لئے قطع کر دیا کہ یہ تو اظہار علم کے لئے بیان ہوا نہ کہ اللہ کے واسطے''۔

(ذکر محمود ۵، تذکرے ۲۰۷)

للّٰہیت، اخلاص، بے لوثی، احتساب اور رضائے الٰہی کی فکر پر مبنی یہ کردار پوری امت کے لئے منارۂ نور ہے۔

آپ کی اخلاص وللّٰہیت کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ جب آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس نام زد ہوئے تو دیگر مدرسین کے ساتھ آپ کی تنخواہ میں بھی اضافہ ہوا، آپ کو احساس ہوا کہ دینی تعلیم پر معاوضہ نہیں لینا چاہئے، تنخواہ نہ لینے کا ارادہ حضرت گنگوہیؒ کے سامنے ظاہر کیا، حضرت نے فرمایا کہ حق المحنت لیتے رہو، یہ اخلاص کے خلاف نہیں ہے، حضرت کے کہنے پر تنخواہ لیتے رہے، حضرت کی وفات کے بعد پھر تنخواہوں میں اضافہ ہوا، تو آپ نے اضافی رقم لینے سے صاف انکار کر دیا، کچھ عرصے بعد تنخواہ لینی بالکل بند کر دی اور حسبةً للہ درس دیتے رہے۔ (حضرت شیخ الہند: مولانا اسیرادروی ۳۲۴)

اخلاص اس کو کہتے ہیں کہ آدمی جس کا ہو جائے بس اسی کا ہو رہے

ایک دفعہ بعض وقتی حالات کی بنا پر حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی دو تین ماہ تک بمرولی میں قیام فرمایا، قیام طویل ہونے کی وجہ سے باہر سے آنے والے مہمان اور ذاکرین وشاغلین وہیں پہونچتے۔ انھیں دنوں مئو سے حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی بھی تشریف لائے اور غالباً تین دن بمرولی میں قیام فرمایا۔ حضرت نے چودھری حبیب الرحمن صاحب کو بلا کر فرمایا کہ آپ کے ہم نام ایک مولانا صاحب

اعظم گڈھ سے تشریف لائے ہیں، آپ انہیں پہچانتے ہیں؟ چودھری صاحب نے عرض کیا جی ہاں ۔فرمایا ان کے پاس جایئے اور میری طرف سے ان سے دریافت کیجئے کہ اخلاص کسے کہتے ہیں؟ چودھری صاحب کہتے ہیں کہ میں گیا تو مولانا حبیب الرحمن صاحب لیٹے ہوئے تھے۔میں نے جا کر حضرت کا پیغام پہونچا دیا۔میرے منہ سے حضرت کا سوال سنتے ہی مولانا اٹھ کر بیٹھ گئے ۔اور دونوں ہاتھ سے اپنا سر پکڑ لیا اور ایک دو منٹ تک سر جھکائے کچھ سوچتے رہے۔غالباً مولانا پر حضرت کا اصل منشا مکشوف ہوا۔اور مولانا نے سمجھا کہ حضرت والا اس سوال کے ذریعے کوئی اہم علم عطا فرمانا چاہتے ہیں۔ یا کسی ضروری امر کی جانب توجہ دلانی مقصود ہے۔ ورنہ اخلاص کے لفظی معنیٰ کون نہیں جانتا۔اس لئے قدرے تأمل کے بعد فرمایا کہ حضرت سے جا کر عرض کر دیجئے کہ ''اخلاص اس کو کہتے ہیں کہ آدمی جس کا ہو جائے بس اسی کا ہو رہے''۔ چودھری صاحب کہتے تھے کہ میں نے حضرت والا سے جا کر مولانا کا یہ جواب نقل کر دیا ۔حضرت جواب سن کر مسکرائے ۔جس سے میں نے اندازہ کر لیا کہ حضرت نے اس جواب کو پسند فرمایا۔(بزرگان دین کے واقعات وحکایات کا مجموعہ)

اعتکاف کا ایک واقعہ اور اخلاص کے بارے میں تنبیہ

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ ذَكَرَ اَنْ يَّعْتَكِفَ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ فَاسْتَأْذَنَتْهُ عَائِشَةُ فَاَذِنَ لَهَا وَسَأَلَتْ حَفْصَةُ عَائِشَةَ اَنْ تَسْتَأْذِنَ لَهَا فَفَعَلَتْ فَلَمَّا رَأَتْ ذٰلِكَ زَيْنَبُ بِنْتُ جَحْشٍ اَمَرَتْ بِبِنَاءٍ فَبُنِيَ لَهَا قَالَتْ وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا صَلّٰى اِنْصَرَفَ

إِلَى بِنَاءٍ فَبَصَرَ بِالْأَبْنِيَةِ فَقَالَ مَا هَذَا قَالُوا بِنَاءُ عَائِشَةَ وَحَفْصَةَ وَزَيْنَبَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اَلْبِرَّ اَرَدْنَ بِهٰذَا مَا أَنَا بِمُعْتَكِفٍ فَرَجَعَ فَلَمَّا أَفْطَرَ اِعْتَكَفَ عَشْرًا مِّنْ شَوَّالٍ۔ (رواہ البخاری)

حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ (ایک مرتبہ ماہ رمضان میں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، حضرت عائشہؓ نے اعتکاف کرنے کی اجازت چاہی، آپ نے ان کو اجازت دے دی، حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ میرے لیے بھی اجازت لے لو، چناں چہ انھوں نے ان کے لیے بھی اجازت لے لی، جب حضرت زینب بنت جحشؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے ایک خیمہ لگانے کا حکم فرمایا، چناں چہ وہ لگا دیا گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جب نماز سے فارغ ہوتے تھے تو اپنے معتکف (اعتکاف کی جگہ) تشریف لے جاتے، آپ تشریف لائے تو دیکھا خیمے لگے ہوئے ہیں، فرمایا یہ کیا ہے؟ حاضرین نے عرض کیا۔ یہ عائشہ، حفصہ اور زینبؓ کے خیمے ہیں، فرمایا کیا انھوں نے اس کے ذریعہ نیکی کا ارادہ کیا ہے؟ میں اعتکاف نہیں کرتا، چناں چہ آپ نے ارادہ بدل دیا، پھر جب عید کا مہینہ آیا (اس میں) دس دن کا اعتکاف فرمایا۔ (صحیح بخاری: ۱/ ۲۷۴)

تشریح: حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت زینبؓ تینوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات تھیں، مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ نبوت کی خواتین خصوصاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک بیویوں کو عبادت کا خاص ذوق تھا، مقابلہ کا اگر جذبہ تھا تو دین میں آگے بڑھنے کا تھا، دنیا کی چیزوں کی رغبت نہ تھی، اور اسباب دنیا

جمع کرنے کا ان کے یہاں نہ اہتمام تھا، نہ اس میں مقابلہ کرنے کا تصور تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعتکاف کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ کی بیویاں بھی اس کے لیے تیار ہوگئیں اور اپنے اپنے خیمے اعتکاف کرنے کے لیے لگوا دیئے، درحقیقت اگر کسی دینی کام میں نیت صاف ہو یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو اور تصور صرف یہ ہو کہ مجھے دوسروں سے زیادہ ثواب مل جائے، کسی فرد کو گرانا یا اپنے نفس کو پھلانا مقصود نہ ہو تو مقابلہ میں آگے بڑھ جانے کا جذبہ نہ صرف درست ہے بلکہ محبوب و مستحسن ہے۔

اگر مقصود یہ ہے کہ فلاں کو نیچا دکھادوں یا اپنی تعریف کرالوں یا نفس کو خوش کرنا مقصود ہو کہ نفس اپنی عبادت اور دینی محنت کرنے کے باعث پھولا نہ سماتا ہو اور دوسروں کی تحقیر اور اپنی بڑائی کے تصور میں مبتلا ہو تو شرعاً یہ بات بہت بری ہے اور گناہ ہے، اور اس طرح کی نیت کرنے سے عبادت کا ثواب تو کیا ملتا بلکہ اس عبادت کے وبال بننے کا خطرہ ہوجاتا ہے، عبادت گزاروں کو ہر وقت اپنے جذبات کا احتساب کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ کی رضا مقصود ہے یا کوئی اور مقصد ہے؟ کہیں دوسروں کو دکھانا یا اپنے نفس کو بڑھانا اور غیروں کو حقیر بنانا تو مقصود نہیں، کہیں یہ جذبہ تو نہیں کہ اپنی تعریف ہو اور نفس عبادت کی کثرت پر مغرور ہوجائے، اگر اپنے اعمال کا اس طرح جائزہ نہ لیں تو نفس و شیطان عبادت گزار کا ناس کر کے رکھ دیتے ہیں۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعتکاف کا ارادہ فرمایا تو حضرت عائشہؓ نے اعتکاف کے لیے خیمہ لگوا دیا، دوسری بیویوں نے بھی یہی کیا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو گویا ایسا۔

قال الحافظ فی الفتح و کانه ﷺ خشی ان یکون الحامل لهن علی ذلك المباهاة والتنافس الناس شیئ من الغیرة حرصا علی القرب منه خاصة فیخرج الاعتکاف عن موضعه الخ وقال ایضا وفیه شوم الغیرة لانها ناشئته عن الحسد المفضی الی ترك الافضل لاجله وفیه ترك الافضل اذا کان فیه مصلحه وان من خشی علی عمله الریاء جازله ترکه وقطعه وفیه ان الاعتکاف لایجب بالنیة۔

محسوس فرمایا کہ ان کے آپس میں مقابلہ کی جو شان ہے کہیں اس میں نفس کا حصہ تو نہیں ہے؟ لہٰذا آپ نے سوال کے انداز میں تنبیہ فرمائی اور فرمایا کیا انھوں نے نیکی کا ارادہ کیا ہے؟ (یا اس کے سوا کچھ اور مقصود ہے؟) پھر ان کو مزید تنبیہ فرمانے کے لیے خود اعتکاف کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا اور اس کے بجائے شوال کے دس دنوں کا اعتکاف فرمایا۔ آپ کے ارادہ بدل دینے سے بیویوں کے ارادے اور جذبات ٹھنڈے پڑ گئے اور اعتکاف کرنے میں حصہ نفس کا اگر شائبہ تھا تو وہ فنا ہو گیا، آپ نے عملی طور پر بھی اصلاح فرما دی، فصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ بقدر کمالہٖ و جمالہٖ۔ ہم میں سے ہر شخص کو اپنے اپنے اعمال کا اور نیتوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ اور حسنِ نیت

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی آخری نبی ورسول ہیں؟ لیکن قیامت تک نبی ورسول کی ضرورت باقی رہے گی جس کو علمائے امت پورا کرتے رہیں گے ایک حدیث

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلِ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے۔یعنی جو کام انبیاء بنی اسرائیل کا تھا وہ کام امت محمدیہ کے علماء ہی انجام دیں گے یہ بہت بڑا فضل ہے اس امت کے لئے بڑے بڑے علماء اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں جنہوں نے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ زمانے کے عقلا حیران وششدر رہ جاتے ہیں۔

ایک ایک عالم نے ایسے عظیم الشان کام انجام دیئے کہ آج ایک اکیڈمی اور ادارہ بھی مل کر اتنا نہیں کرسکتا۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار انہیں خوش نصیب ہستیوں میں ہے جو بڑے عالم ہونے کے ساتھ بڑے متقی وپرہیز گار بھی ہے۔

امام بخاری قدسرہ العزیز کا مزید تقویٰ حسن نیت،صدق عزیمت اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک بار امام صاحب کی خدمت میں کچھ ہدایا پیش کئے گئے،ایک تاجر نے حاضر ہوکر ان ہدایا کو خریدنے کی خواہش ظاہر کی اور پانچ ہزار درہم نفع کے لگائے،امام نے فرمایا کل آؤ اس وقت سوچ کر جواب دوں گا،وہ تاجر چلا گیا امام نے اپنے دل میں ارادہ کرلیا تھا کہ اس معاملہ کو قبول کرلوں گا،اس کے بعد ایک دوسرا تاجر آیا اور اس نے دس ہزار درہم نفع کے لگائے،ظاہر ہے کہ فتویٰ کے اعتبار سے امام پر کوئی پابندی نہیں تھی کیوں کہ آنے والے تاجر سے کوئی معاملہ صراحتاً طے نہیں ہوا تھا،امام نے صرف یہ فرمایا تھا کہ کل آنا،تب جواب دوں گا،مگر دل میں اس کے ساتھ معاملہ کرنے کے لئے ارادہ ہوگیا تھا اس وجہ سے آپ نے دوسرے تاجر سے معذرت فرمادی حالاں کہ آپ کو نفع میں پانچ ہزار درہم زیادہ مل رہے تھے یہ آپ کا کمال تقویٰ ہے اور فرمایا:

لَا اُحِبُّ اَنْ اَنْقُضَ نِيَّتِيْ ۔(تاریخ دمشق،ص:۲۸،ج:۲۲)
مجھے یہ پسند نہیں کہ اپنی نیت کو توڑ دوں۔

اور یہ صرف اس وجہ سے کہ اعمال کا ایک وجود مخفی طور پر عند اللہ نیت سے ہو جاتا ہے اگر چہ اس پر فقہی احکام مرتب نہیں ہوتے ہیں اس دقیق تحقیق کی بناء پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آپ کو اللہ پاک کے سامنے کاذب ہونے سے بچا لیا، سبحان اللہ! حضرت امام اقدس سرہ کی نظر کس قدر دقیقہ رس تھی اگر چہ یہ چیز لوگوں سے مخفی ہے۔(فضل الباری،ص:٦٦،ج:١)

حضرت علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس قصہ کو لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کا ایک صاحب کے ذمہ ۲۵ ہزار روپئے بطور قرض تھا مگر وہ بہت تنگ کرتا تھا، اور ادھر ادھر بھاگتا رہتا تھا، دوسرے حضرات نے امام صاحب سے بارہا کہا کہ ہم اس کو پکڑ لیں اور اس کے لئے فلاں فلاں اس دور کے حکام وسلاطین سے بات کریں گے اور ہم نے حضرت کو بتائے بغیر جب اس کے بارے میں حکام وسلاطین سے بات کی اور سختی کرانی چاہئے تو حضرت نے منع فرما دیا اور اس کو بہت سہولت دے دی کہ تم ہر سال صرف دس درہم دے دیا کرو، اللہ اکبر! امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ کتنا تھا اور اخلاق کس قدر وسیع تھے۔ ۲۵/ ہزار درہم میں کتنے حضرت کو وصول ہوئے ہوں گے اللہ ہی جانتے ہیں۔(سیر اعلام النبلاء،ص:۴۴۷،۴۴۶،ج:۱۲)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک صاحب کے مکان میں بطور کرایہ دار رہتے تھے اور کافی زمانہ رہے۔ مگر فرماتے تھے کہ میں نے کبھی اس کی دیوار اور زمین میں

سے کچھ لے کر استنجاء کی ضرورت پوری کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا اس بات کا خیال رکھا کہ مکان دوسرے کا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ص: ۷۴۴، ج: ۱۲)

سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے

قرآن حکیم فرقان مجید میں ارشاد ہوتا ہے: فَاسْجُدُوا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوا ’’تم اللہ کے آگے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو‘‘۔ (سورہ النجم، آیت ۶۲)

اس آیۂ مبارکہ میں بالکل واضح طور پر اعلان کیا جارہا ہے کہ انسان کو کس کے آگے سجدہ کرنا چاہئے کس کے آگے جھکنا چاہئے، کس سے فریاد کرنی چاہئے اور اپنی ضروریات میں کس کے سامنے دست طلب دراز کرنا چاہئے۔ وہ صرف ایک، اکیلا اور واحد اللہ ہے، وہی عبادت کے لائق ہے۔ وہ رحمن اور رحیم ہے۔ اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے اور ان پر اتنا مہربان ہے کہ انہیں اس نے زندگی بھی دی اور اسے برقرار رکھنے کا سامان بھی پیدا کیا۔ وہ صرف ایک ہی مطالبہ کر رہا ہے کہ اسے ایک اور واحد رب مان کر اس کی عبادت کی جائے۔ یہ بات قرآن پاک میں بیان ہورہی ہے، کہ: تم اللہ کے آگے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو‘‘۔ اس آیت میں دو واضح ہدایات دی گئی ہیں: پہلی یہ کہ صرف اللہ کے آگے سجدہ کرو، اس کے سوا کسی اور کے آگے نہ جھکو، کیوں کہ سجدہ کے لائق ذات صرف پروردگار عالم کی ہے۔ کوئی اور ذات اس لائق نہیں کہ اس کے سامنے جھکا جائے اور اسے اپنا رب تسلیم کیا جائے۔ پھر دوسری ہدایت یہ دی جارہی ہے کہ اسی ایک اللہ کی عبادت کی جائے، یعنی اللہ کے سوا کسی اور کو نہ تو اپنا معبود بناؤ اور

نہ اس کے علاوہ کسی اور سے فریاد کرو، کیوں کہ تمہارا خالق و مالک وہی اللہ ہے اور دنیا میں اپنی زندگی گزارنے کے بعد اسی کے سامنے حاضر ہونا ہے اور دنیا میں کئے گئے اپنے ہر عمل کا جواب بھی دینا ہے۔اس کی نافرمانی کی تو پھر اس کی پکڑ سے کوئی نہیں بچ سکے گا۔

بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال ہے کہ مرنے کے بعد تو ہم خاک میں مل جائیں گے، ہمارا جسم اور ہڈیاں مٹی ہو جائیں گی، اس کے بعد ہم کیسے زندہ ہوں گے اور ہم سے کون جواب طلب کر سکے گا۔مگر یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ رب العزت کی ذات کتنی عظیم ہے۔وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔اسے کوئی نہیں روک سکتا۔وہ اپنی مرضی اور حکم سے کسی کو زندہ کر سکتا ہے تو اپنی مرضی اور حکم سے کسی کو مار بھی سکتا ہے۔اس کی اتھارٹی کو کون چیلنج کر سکتا ہے؟ کس کی مجال ہے کہ اس کے سامنے کچھ بول سکے۔وہ اپنے اختیارات اور اپنے ارادوں میں اکیلا اور تنہا ہے۔وہ جو چاہے جب چاہے کر سکتا ہے۔اس حقیقت کو قرآن پاک میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:**وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ** ''اور تمہارا پروردگار تو غالب اور مہربان ہے''۔(سورہ الشعراء:۱۹۱)

اس آیتِ مبارکہ پر غور فرمائیں تو اس میں اللہ رب العزت کی دو صفات عالیہ کا عمومی ذکر ہو رہا ہے۔پہلی یہ کہ وہ رب العالمین سب پر غالب ہے یعنی اس کے آگے کوئی دوسری ہستی کوئی حیثیت نہیں رکھتی، دوسرے یہ کہ وہ سب سے بڑا اور سب سے عظیم ہے۔

اللہ کے لئے غصہ کو قابو کیجئے

مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ جامع مسجد میں وعظ کہہ رہے تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوا

اور کہنے لگا کہ آپ حرامی ہو کر وعظ کہتے ہیں؟ مولانا نے کہا: کہ خبردار کوئی ان کو کچھ نہ کہے، پھر نرم لہجے میں کہا: کہ آپ کو کسی نے غلط خبر دی ہے ورنہ میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ موجود ہیں، پھر وعظ شروع کر دیا، اس آدمی نے کہا: کہ آپ کو لوگوں پر غصہ ہوتے دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ نفس کے لئے ہے یا اللہ کے لئے، اب معلوم ہو گیا کہ آپ رحمہ اللہ کا غصہ اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ (افادات ابرار،ص/69)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہم سب کے لئے نمونہ ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی آپ کا قول وعمل ہمارے لئے نمونہ ہے، ایسی کوئی بات نہیں ہو سکتی جس کے متعلق آپ کی زندگی سے ہمیں اس میں رہنمائی نہ ملتی ہو، اگر قرآن وحدیث اور سیرت پاک میں ہم کو رہنمائی نہیں ملتی تو پھر آخر کہاں ملے گی، نبی دنیا میں آتے ہی لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے ہیں ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی پیروی کرنے میں کامیابی ہے اور جو ان کی تعلیمات اور حدود سے آگے بڑھے گا وہ شیطان کے چنگل میں پھنس جائے گا، جو قرآن وحدیث کو اپنا امام نہ بنائے تو شیطان اس کا امام ہوگا، اگر ہم قرآن وحدیث کو اپنا امام نہیں بناتے تو پھر ہماری ہلاکت میں کوئی شبہ نہیں ہم ہلاکت کے گڑھے میں گریں گے، دلدل میں پھنسیں گے، قرآن وحدیث کی تعلیم یہ ہے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہم کو بتلاتی ہے کہ جب کبھی بھی کوئی بات پیش آئے فوراً اپنے اوپر نظر ڈالے کہ ہم کوئی غلطی تو نہیں کر رہے ہیں اور ہر وقت یہ بات پیش نظر رکھیں کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، میری ہر بات کو سن رہا ہے میری ہر نقل

وحرکت کو دیکھ رہا ہے، ہم سچ بول رہے ہیں یا جھوٹ، صحیح کر رہے ہیں یا غلط، اللہ میری ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے اس کے سامنے جانا ہے جواب دینا ہے، اس استحضار کے بعد سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے کہ ان حالات میں ایسے موقع پر مجھے کیا کرنا چاہئے، اگر اس عمل کو اللہ کے سامنے لے کر جاؤں گا تو کیا منھ دکھاؤں گا۔ (تحفہ مدارس، ص/358)

محبت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار وکیریکٹر نے دنیائے انسانیت کو نمونۂ عمل بن کر دکھلایا کہ دنیا کا مال ومنال ونا اصل نہیں ہے، انسان اس کے بغیر زندگی گذار سکتا ہے، نعمتوں کے انبار اور سونے چاندی، ہیرے جواہرات کے ڈھیر محسنِ کائنات پر اثر انداز نہ ہوسکے، کیوں کہ محبوب رب العالمین کو اس کی حقیقت کا علم اور ادراک تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطری چیزیں ضرورت کے درجہ میں تھیں، لیکن محبت کے درجہ میں نہیں تھیں، دنیا کے ساز وسامان ضرورت کے لئے تھے، محبت کے لئے نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، محبت کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جس نے انسان کو تمام نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے اور اپنی نعمتیں تمام کردی ہیں۔

انسان کا حقیقی کردار ''اطیعوا اللہ واطیعو الرسول'' میں ہے۔ جب اطاعتِ حق اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انسان ہٹ جاتا ہے تو نفس وشیطان اس پر غالب ہوجاتے ہیں اور اس کو مقصدِ اصلی سے روگرداں کردیتے ہیں،

خودغرضی اور طمع اس کے دل میں گھر بنا لیتے ہیں، انسانیت کے مدارج انحطاط کی طرف رواں دواں ہوجاتے ہیں، اور یہی وہ راہ ہے جس سے دنیا میں سرکشی، قتل وغارت گری، خودغرضی، مکروفریب، لوٹ کھسوٹ، شیطانی تدابیر اور ہمہ قسم کے رذائل اخلاق معاشرہ کے اندر پیدا ہوجاتے ہیں اور خداترسی اور ایثاروقربانی کا جذبہ سرد ہوجاتا ہے۔

قربانی صرف اللہ کے نام پر ہو

قربانی اسلام سے پہلے بھی ہوتی تھی، دنیا کی قومیں اپنے طور سے قربانی کرتی تھی اور آج بھی بہت ساری قومیں قربانی کرتی ہیں............لیکن وہ قربانی بتوں کے نام پر آباؤ اجداد کے نام پر، غیر اللہ کے نام پر اور پتہ نہیں کس کس نام پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں......

مگر اسلام نے اپنے پیروؤں کو پابند کیا کہ وہ قربانی سوائے اللہ کے اور کسی کے نام پر نہ کریں۔

فرمایا............فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ؕ (سورۂ کوثر)

آپ کی نماز صرف آپ کے رب کے لئے ہو، آپ کی قربانی صرف آپ کے رب کے لئے ہو آپکا ہر عمل سوائے اللہ کے اور کسی کے لئے نہ ہو اور کسی جذبہ سے نہ ہو، ہر عمل میں اپنا پورا رخ صرف اللہ کی طرف ہو۔

آپ جب قربانی کررہے ہوں یا اور کوئی عمل کررہے ہوں تو آپ کا دل پکار کر یہ کہہ رہا ہو، اندر کی کیفیت یہ بن رہی ہو۔

قُلْ إِنَّ صَلاَتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ (سورۃ الانعام)

کہ میری نماز، میری قربانی، میرا مرنا اور میرا جینا صرف اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کا پالنہار ہے۔

نافع اور ضار صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھنا چاہئے

نقصان پہنچانے اور نفع دینے والے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہیں، کائنات میں کوئی چیز انسان کو نہ نفع دے سکتی ہے اور نہ نقصان۔ حضرت معاویہ بن حکم سُلمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بدشگونی کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایسی چیز ہے جس کو تم اپنے دل میں محسوس کرتے ہو، جبکہ وہ تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ، أَنَّهُ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الطِّيَرَةِ، فَقَالَ: ذَاكَ شَيْءٌ تَجِدُونَهُ فِي أَنْفُسِكُمْ وَلَا يَضُرَّنَّكُمْ (طبرانی کبیر:19/397)

اہل اللہ سے استفادہ کے لیے صرف وعظ سننے کی نیت کافی نہیں

ہمارے بزرگوں نے اپنی نفلی عبادت کا اتنا اہتمام نہیں کیا جتنا اہل اللہ کے پاس بیٹھنے کا اہتمام کیا۔ اس لیے اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ وعظ سنتے وقت صحبت کی بھی نیت ہونی چاہیے کیوں کہ اگر خالی وعظ سننے کی نیت ہے تو کسی زمانے میں آپ کا مربی بوڑھا ہو کر وعظ کہنے سے معذور ہوسکتا ہے، پھر شیطان آپ کو اس کی صحبت سے بھگا دے گا۔ اور اگر آپ صحبت کی نیت سے آئیں گے تو وعظ مفت میں ملے گا اور صحبت بھی ملے گی، پھر اگر وہ بوڑھا ہو گیا، کمزور ہو گیا تو اگرچہ وہ خاموش ہو گا پھر بھی اس کی محبت

سے توفیق ہوجائے گی کہ چلو تھوڑی دیر صحبت میں بیٹھو۔ تو یہ فرق ہوگیا صحبت کے حریصوں کا اور وعظ سننے کے لالچیوں کا۔ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب تک وعظ فرماتے تھے، سو ڈیڑھ سو آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا اور جب حضرت بیمار ہوگئے، کمزور ہوگئے اور وعظ نہیں کہنے لگے تو مجمع گھٹتے گھٹتے پندرہ بیس آدمی تک رہ گیا، اور سارے وعظیہ لوگ بھاگ گئے۔ وعظیہ کا تعزیہ جلد دفن ہوجاتا ہے، اس کا عشق و محبت ختم ہوجائے گا۔ جب سنے گا کہ مولانا بیمار رہتے ہیں وعظ نہیں کہتے، تو کہے گا کہ بس، اب وہاں جانا ختم، مگر جو صحبت کا حریص ہے وہ کہے گا کہ چاہے حضرت کچھ نہ بولیں ہم ان کو ایک نظر دیکھیں گے ان کے پاس تھوڑی دیر بیٹھیں گے کیوں کہ کام صحبت ہی سے بنتا ہے۔ اکبر الہ آبادی کا شعر ہے ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اگر کوئی پیغمبر بیمار ہو بول نہ سکتا ہو کمزور ہوگیا ہو بلکہ اس کا آخری وقت ہے، مگر حالتِ ایمان میں ایک شخص اس کو دیکھ لیتا ہے تو اگرچہ نبی نے کچھ نہیں فرمایا مگر ایمان کی حالت میں اس آدمی نے نبی کو دیکھ لیا تو وہ صحابی ہوا یا نہیں؟ اگر معلوم ہو کہ پیغمبر کا آخری وقت ہے، اس کے دنیا سے تشریف لے جانے میں چند منٹ رہ گئے ہیں مگر حالتِ ایمان میں ایک شخص آتا ہے اس نے آکر پیغمبر کو ایک نظر دیکھا اور پیغمبر نے کوئی وعظ نہیں کیا بالکل ضعیف اور کمزور ہے تو وہ آدمی صحابی ہوا یا نہیں؟ علماء جانتے ہیں کہ وہ صحابی ہوگیا کیوں کہ اس نے نبی کو دیکھ لیا نبی کی صحبت اس کو مل گئی، یا اگر وہ آدمی اندھا

ہے اور نبی نے اس کو دیکھ لیا تو بھی وہ صحابی ہو گیا۔ حضرت عبداللہ ابن امّ مکتومِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نابینا تھے یا نہیں؟ مگر صحابی ہوئے یا نہیں؟ تو جب گھر سے چلیے تو صحبت کی نیت کیجیے کہ اتنی دیر اللہ والوں کی صحبت میں رہوں گا۔ جب صحبت کی نیت ہو گی وعظ خود ہی مل جائے گا۔ یہ چیز آپ کو اس زمانے میں کام آئے گی کہ جب آپ کا شیخ اور مربی وعظ نہ بھی کہے گا تو بھی آپ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہیں گے، اور اگر خالی وعظیہ رہیں گے تو پوچھیں گے کہ آج شیخ صاحب کا وعظ ہو گا یا نہیں؟ میرے پاس بھی ٹیلی فون آتا ہے کہ آج وعظ ہو گا؟ جب کہا جاتا ہے کہ ہاں! تو آتے ہیں اور اگر کہہ دو کہ آج وعظ نہیں ہو گا تو نہیں آتے۔ اس کا نام وعظیہ ہے، ورنہ اگر صحبت کی نیت ہو گی تو کہے گا کہ وعظ تو نہیں ہو گا مگر ملاقات تو ہو جائے گی ان کی صحبت میں تو بیٹھ جائیں گے۔

اسی لیے کہتا ہوں کہ ایک عاشقِ ذات ہوتا ہے اور ایک عاشقِ صفات ہوتا ہے۔ وعظ ایک صفت ہے لہٰذا مربی کی ذات پر عاشق ہو، جب تک وہ زندہ ہے اس کی ملاقات کو نعمت سمجھو۔ یہ نہیں کہ وعظ ختم ہوا تو بس وعظیہ بھاگا اور اس کا تعزیہ بھی گیا۔ (صحبت اہل اللہ کی اہمیت اور اس کے فوائد)

اکابر علماء کرام نے اللہ والوں کی جوتیاں کیوں اٹھائیں

مولانا رومی نے شرم نہیں کی کہ میں ''بخاری'' پڑھاتا ہوں میں معقول اور منقول کا جامع اتنا بڑا عالم ہوں۔ میں کیوں کسی اللہ والے کی جوتیاں اٹھاؤں۔ مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو شرم نہیں آئی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کو حیا نہیں آئی۔ حکیم الامت

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نوّر اللہ مرقدہٗ کو شرم نہیں آئی حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی جوتیاں اٹھاتے ہوئے۔ آج جو ''شرح جامی'' اور ''کنز الدقائق'' پڑھ لیتا ہے وہ بھی اللہ والوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ یہی وجہ ہے کہ قربانی کی کھال کے پیچھے ان کو گالیاں مل رہی ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ مولانا قاسم صاحب نانوتوی قربانی کی کھال لینے گئے تھے؟ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کسی کے دروازے پر گئے تھے؟ شاہ ولی اللہ محدث گئے تھے؟ جن علماء نے اللہ والوں کی جوتیاں اٹھائیں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی عزت دی کہ امیروں کو ان کے دروازے پر بھیجا وہ کسی کے دروازے پر نہیں گئے۔

اللہ والوں کے پاس ہی روح کی بیماریوں کا علاج ہے

اسی میں چین اور اسی میں آرام ہے کہ گناہوں کو چھوڑ دو اور اللہ کا نام لو اور نام لینا سیکھو۔ اور اُن بزرگوں کے پاس جاؤ جہاں اللہ کے نام میں مٹھاس ملتی ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت سے اور اپنے تعلق سے عقل عطا فرمائی ہے، کچھ دن اُن کے پاس جا کر رہو۔ خانقاہ میں چالیس دن کے لیے وقت نکالو، پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ کسی کو پھیپھڑے کا کینسر ہو جائے اور ڈاکٹر کہے، جاؤ مری پہاڑی پر جاؤ، تمہارے پھیپھڑے میں داغ لگ رہا ہے۔ پھر جائے گا یا نہیں؟ اللہ والوں کے پاس روح کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے۔ اہل اللہ کی صحبت سے اللہ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نظر تو نہیں آتا مگر دل میں آتا ہے، اسی لیے انبیاء اور اولیاء کے دلوں پر ہر وقت رحمت برستی ہے۔ (اصلی پیری مریدی کیا ہے؟ ص/29)

تعلق مع اللہ کی بے مثل لذت کی دلیل

نبی ایک ہوتا ہے لیکن سارے عالَم کا تنہا مقابلہ کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں نے کیسی کیسی پیشکش کیں کہ آپ ہمارے بتوں کو بُرا نہ کہیں، اسلام نہ پھیلائیں، خدا کی عظمت اور تعریف نہ بیان کریں، ہمارے بتوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کرلیں، تو مکہ کی جو عورت آپ کو پسند ہو ہم آپ کو فراہم کریں گے، اگر کوئی سلطنت و ریاست چاہتے ہیں تو پورے عرب کی سلطنت ہم آپ کو دینے کے لیے تیار ہیں۔ تاریخ دیکھ لو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ فرمایا کہ اگر تم لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لاکر رکھ دو تو میں اللہ کی وحدانیت کی تبلیغ سے باز نہیں آؤں گا۔ اگر اللہ کے نام میں مزہ نہ ہوتا تو انبیاء اور اولیاء اپنی جانیں قربان نہ کرتے، مگر ہم اس مزے سے بے خبر ہیں، کیوں کہ اس مزے کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے، اس لیے ہمیں اللہ کی قدر نہیں، لیکن قبر میں جاکر دیکھو گے کہ جن سے دل بہلایا اُن سے کیا پایا؟ اور اللہ والوں کو دیکھو گے کہ اُن کے کیا مزے ہیں۔ اللہ نے عالَمِ غیب کا پرچہ رکھا ہے۔ اگر یہ پرچہ آؤٹ ہوجاتا تو سارے کافر مسلمان ہوجاتے، لیکن سمجھ لو کہ حقیقت یہ ہے کہ ؎

جیسی کرنی ویسی بھرنی نہ مانے تو کر کے دیکھ
دوزخ بھی ہے جنت بھی ہے نہ مانے تو مر کے دیکھ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور آرام سے رہنا سیکھو۔ اور جو آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کے فرماں بردار غلام ہیں، سنت و شریعت کے پابند ہیں وہی اولیاء اللہ ہیں، بس ان سے دین سیکھو۔

صحبتِ اہل اللہ کے بغیر صرف مجاہدہ کافی نہیں

اسی طرح تلّی چاہے کتنا ہی مجاہدہ کر لے، رگڑ رگڑ کے اس کی بھوسی چھڑا دی جائے اور چاہے کولھو میں پیل دی جائے لیکن وہ تلّی کا تیل ہی رہے گا، روغن گل نہیں بنے گا کیوں کہ یہ پھولوں کی صحبت میں نہیں رہا لہٰذا جو لوگ اہل اللہ سے دور دور مجاہدات کر رہے ہیں وہ ہوش میں آجائیں اور کسی اللہ والے کی صحبت میں بھی رہیں تا کہ وہ روغن گل ہو جائیں، اللہ تعالیٰ کی محبت کی خوشبو ان کے اندر آجائے ورنہ لاکھ مجاہدہ کر لیں تلّی کا تیل ہی رہیں گے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی افضلیت کا سبب

صحبت سے قیمت بڑھ جاتی ہے۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتابِ نبوت کو ایمان کی حالت میں دیکھ لیا، ابھی کوئی نماز نہیں پڑھ سکا اور شہید ہو گیا۔ بعضے ایسے صحابی ہیں کہ ایمان لانے کے بعد ہی شہید ہو گئے۔ بتائیے کیا سارے عالَم کے اولیاء اللہ اور تہجد گزار ان کو پا سکتے ہیں؟ یہ ہے صحبت کا اثر۔ کیوں کہ اس نے سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک لمحہ کی صحبت پالی، اب قیامت تک کے اولیاء اللہ، امام ابوحنیفہ، امام بخاری، شیخ عبد القادر جیلانی اور امام غزالی رحمہم اللہ اس کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ البتہ اولیاء اللہ کی صحبت سے اولیاء اللہ پیدا ہوتے رہیں گے۔ اسی لیے وَ کُوْنُوْا

مَعَ الصّٰدِقِيْنَ کا حکم ہے کہ صادقین متقین کی صحبت میں رہو، خَالِطُوْهُمْ لِتَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ اتنا ساتھ رہو کہ ان ہی جیسے ہو جاؤ۔ (روح المعانی: 56/11، التوبۃ (119)، داراحیاء التراث، بیروت)

ایک ولی اللہ دنیا سے جاتا ہے تو سینکڑوں کو ولی اللہ بنا کر جاتا ہے ورنہ آج روئے زمین پر اولیاء اللہ کا بیج بھی نہ ملتا، آج کوئی ولی اللہ دنیا میں نظر نہ آتا۔ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! جب دنیا سے کوئی ولی اللہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً اس کی کرسی پر دوسرے ولی کو بٹھا دیتے ہیں، کرسیاں خالی نہیں ہیں۔ یہ ہماری نادانی ہے جو ہم سمجھتے ہیں کہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ جیسے بڑے بڑے اولیاء اللہ اب نہیں ہیں، حالاں کہ قیامت تک بڑے بڑے اولیاء پیدا ہوتے رہیں گے لیکن ہمیں مرنے کے بعد اُن کی محبت کی توفیق ہوتی ہے، جب ان کا انتقال ہو جاتا ہے تب ہم کہتے ہیں نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ وَرَوَّحَ اللّٰهُ رُوْحَهٗ مرنے کے بعد قدر ہوتی ہے لیکن جو زندگی میں قدر کر لیتا ہے ولی اللہ بن جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عشق الٰہی

بعض عاشقان الٰہی کو دن رات کی عبادت میں نہ جنت کی خواہش ہوتی ہے اور نہ دوزخ کا خوف صرف دیدار الٰہی کی تمنا رکھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یا اللہ اگر میں دوزخ کے ڈر سے عبادت کروں تو مجھے دوزخ میں ڈال دے۔ اگر میں جنت کی آرزو میں تیری عبادت کرتا ہوں تو مجھے

ہر گز جنت میں جگہ نہ دینا اگر میں تیری محبت میں عبادت کرتا ہوں تو مجھے اپنا دیدار کرا دینا۔ (دعوت فکر و عمل، ص/95)

اللہ کی رحمت سے ہی بخشش ہوتی ہے

اس کا سبب یہ ہے کہ میں بہت سخی ہوں، بہت دینے والا ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں، میرا دینا صرف حکم کرنا ہے، میرا عذاب صرف حکم دینا ہے، اور جب میں کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں تو صرف اتنا کہہ دیتا ہوں کہ ''ہوجا'' اور وہ ہو جاتی ہے۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

روایت جابر رضی اللہ عنہ: تم میں سے کسی شخص کو اس کے اعمال جنت میں داخل نہیں کریں گے اور نہ دوزخ سے بچائیں گے اور مجھ کو بھی نہیں مگر اللہ کی رحمت۔ (مسلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''کوئی نہیں بخشا جائے گا مگر اللہ کی رحمت سے'' دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنا دستِ مبارک اپنے سر پر رکھ لیا اور فرمایا ''ہاں میں بھی اللہ کی رحمت سے ہی بخشا جاؤں گا''۔ (انوار طریقت، ص/45)

نیت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنا اور آخرت کو مقصود بنانا

حضرت ابنِ ابی مریم کہتے ہیں: حضرت عمر بن خطابؓ حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس سے گزرے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: وہ اعمال کون سے ہیں جن سے اس اُمّت کے سارے کام ٹھیک رہتے ہیں؟ حضرت معاذؓ نے کہا: تین اعمال ہیں اور تینوں نجات دلانے والے ہیں: ایک اخلاص ہے اور اخلاص وہ عملِ فطرت ہے جس پر اللہ

نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اور دوسرا عمل نماز ہے اور وہ مذہب کا اہم شعبہ ہے۔ اور تیسرا عمل (امیر کی) اطاعت ہے اور اطاعت ہی بچاؤ کا سامان ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ نے ٹھیک کہا۔ جب حضرت عمرؓ وہاں سے آگے چلے گئے تو حضرت معاذؓ نے اپنے پاس بیٹھنے والوں سے فرمایا: غور سے سنو! (اے عمر!) آپ کا زمانہ بعد والوں کے زمانے سے بہتر ہے، کیوں کہ آپ کے بعد اُمّت میں اختلاف ہوجائے گا۔ (اور سنو) اب یہ حضرت عمر بھی دنیا میں تھوڑا عرصہ ہی رہیں گے۔

حضرت ابوعبیدہ العنبری کہتے ہیں: جب مسلمان مدائن فتح کر کے اس میں داخل ہوئے اور مالِ غنیمت جمع کرنے لگے تو ایک آدمی اپنے ساتھ ایک ڈبہ لایا اور لا کر مالِ غنیمت جمع کرنے والے ذمہ دار کو دے دیا۔ اس ذمہ دار کے ساتھیوں نے کہا: اس ڈبے جیسا قیمتی سامان تو ہم نے کبھی دیکھا نہیں (کیوں کہ اس میں بادشاہ نے سب سے زیادہ قیمتی ہیرے جواہرات رکھے ہوئے تھے) اور ہمارے پاس جتنا مالِ غنیمت آچکا ہے اس سب کی قیمت اس کے برابر تو کیا اس کے قریب بھی نہیں ہوسکتی۔ پھر ان لوگوں نے لانے والے سے پوچھا: کیا آپ نے اس میں سے کچھ لیا ہے؟ اس نے کہا: غور سے سنو! اللہ کی قسم! اگر اللہ کا ڈر نہ ہوتا تو میں اسے آپ لوگوں کے پاس کبھی نہ لاتا۔ اس جواب سے وہ لوگ سمجھ گئے کہ یہ آدمی بڑی شان والا ہے۔ انھوں نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! نہیں، اپنے بارے میں میں نہ تو آپ لوگوں کو بتاؤں گا، کیوں کہ آپ لوگ میری تعریف کرنے لگ جائیں گے اور نہ کسی اور کو بتاؤں گا، کیوں کہ پھر لوگ میری سچی جھوٹی تعریف کرنے لگ جائیں گے، بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کی

تعریف بیان کرتا ہوں اور اس کے ثواب پر راضی ہوں۔ (پھر وہ آدمی چلا گیا) تو ان لوگوں نے ایک آدمی اس کے پیچھے بھیجا۔ وہ آدمی (اس کے پیچھے چلتے چلتے) اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچ گیا۔ پھر اس نے اس کے ساتھیوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو حضرت عامر بن عبد قیس نکلے۔

حضرت محمد، حضرت طلحہ اور حضرت مہلّب وغیرہ حضرات کہتے ہیں: (قادسیہ کی جنگ کے موقع پر) حضرت سعدؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ لشکر بڑا امانت دار ہے۔ اگر بدر والوں کو پہلے فضیلت نہ ملی ہوتی تو اللہ کی قسم! میں کہتا اس لشکر کی بھی بدر والوں جیسی فضیلت ہے۔ بہت سی قوموں کو میں نے غور سے دیکھا، ان میں مالِ غنیمت جمع کرنے کے بارے میں بہت سی کمزوریاں نظر آئیں، لیکن میرے خیال میں اس لشکر والوں میں ایسی کوئی کمزوری نہیں اور نہ میں نے ان کی کسی کمزوری کے بارے میں کسی سے کچھ سنا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں: اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! قادسیہ والوں میں سے کسی کے بارے میں ہمیں یہ اطلاع نہیں ملی کہ وہ آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا بھی چاہتا ہو، البتہ ہمیں (ہزاروں کے لشکر میں سے) صرف تین آدمیوں کے بارے میں شبہ ہوا (کہ شاید یہ دنیا بھی چاہتے ہوں)، لیکن تحقیق کرنے پر وہ بھی امانت دار اور بڑے زاہد نکلے۔ وہ تین حضرات یہ ہیں: حضرت طلیحہ بن خویلد، حضرت عمرو بن معدیکرب اور حضرت قیس بن مکشوحؓ۔

حضرت قیس عجلی کہتے ہیں: جب حضرت عمرؓ کے پاس کسریٰ کی تلوار، کمر کی پٹی اور زیب وزینت کا سامان لایا گیا تو حضرت عمر نے فرمایا: جن لوگوں نے یہ سارا کا سارا

مالِ غنیمت یہاں پہنچا دیا ہے وہ واقعی بڑے امانت دار ہیں۔اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا:
چوں کہ آپ خود پاک دامن ہیں، اس لیے رعایا بھی پاک دامن ہوگئی۔ (حیاۃ الصحابہ)

ایک ہزار اشرفی دریا برد کر دیا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دفعہ دریا کا سفر پیش آیا کشتی میں سوار ہوئے تو آپ کے پاس ایک ہزار کی اشرفیاں تھیں ایک شخص امام صاحب سے بڑی حسن عقیدت کے ساتھ پیش آیا۔خوب میل جول بڑھایا۔امام صاحب اس سے کافی بے تکلف ہو گئے اور اسے اپنی اشرفیوں کی خبر دے دی ایک روز صبح سویرے یہ شخص بیدار ہوا اور شوروغل مچانا شروع کر دیا لوگوں نے متعجبانہ انداز سے پوچھا تو بولا میرے پاس ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی تھی آج وہ اپنے سامان میں نہیں پاتا ہوں کشتی والوں کی تلاشی شروع ہوگئی امام صاحب نے بڑی خاموشی کے ساتھ اشرفیوں کی تھیلی دریا کی موجوں کے سپرد کر دی جب کسی مسافر کے سامان سے وہ تھیلی برآمد نہ ہوئی تو لوگوں کے تیور بدلے اور اس شخص کو سخت سست کہنا شروع کیا۔سفر پورا ہوا۔وہ شخص تنہائی میں امام صاحب سے ملا اور کہنے لگا آپ نے اشرفیوں کی وہ تھیلی کیا کی؟ امام صاحب نے بڑے اطمینان سے جواب دیا دریا میں پھینک دی تھی، اس نے پوچھا آپ کی طبیعت اتنی بڑی رقم اس بے دردی سے دریا برد کر دینے پر کیسے آمادہ ہوگئی؟ تم کس دنیا میں زندگی کی سانس لیتے ہو؟ آپ نے فرمایا میری ساری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی جمع وترتیب میں ختم ہوگئی میری علمی دیانت اور پاکیزگی ضرب المثل بن

چکی کیا چوری کا شبہ اپنے او پر لے کر اس دولت کو پامال کر دیتا جو عمر عزیز کی تمام بہاریں کھو کر حاصل کی ہے۔ اللہ اکبر کیسے متقی و پرہیزگار اور دنیا سے بے رغبت انسان تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔

عبادت میں نیت کی اہمیت

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے پڑوس میں ایک آدمی تھا، جو کھاتا تھا اور گھر کو چلا آیا کرتا تھا، پھر اس کا انتقال ہو گیا۔ پھر حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کا بھی انتقال ہو گیا، پھر ان کو کسی نے خواب میں دیکھا اور کہا کہ کیا حال ہے؟ حضرت نے کہا: اللہ نے بخش دی؛ لیکن میری پڑوسی کے پیچھے ہی رہا۔ لوگوں نے کہا اس طرح کیوں؟ ہم نے تو آپ کو پوری دنیا میں افضل سمجھتے تھے!!۔ حضرت نے کہا کہ وہ آدمی ذکر اور قرآن وغیرہ پڑھتا تھا اور نیت کرتا تھا کہ اگر مجھے فرصت مل جائے، تو میں بھی جنید بغدادی رحمہ اللہ جیسا بن جاؤں اور اسی طرح کی عبادت کروں گا، صرف اس نیت سے اللہ تعالیٰ نے اس کے درجے کو بلند کر دیا۔ (واقعات پڑھیے اور عبرت لیجیے، ص/ 197)

اخلاص کامل پانے کا طریقہ

اگر یہ دھیان اور استحضار نہ ہو تو پھر احسان بھی حاصل نہ ہوگا، اور حدیث جبرئیل میں بھی اس کی تعلیم ہے، اس کے علاوہ ایک حدیث میں نبی نے ارشاد فرمایا: ''مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهٖ وَوَجْهِهٖ إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ'' (مسند احمد: ۱۷۴۳۱)

’’جو مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر کھڑا ہو کر دو رکعت نماز اپنے دل سے متوجہ ہو کر ادا کرتا ہے تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے‘‘

ایک اور حدیث میں ہے:

’’مَنْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهُ فِيهِمَا بِشَيْءٍ مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَسْأَلِ اللهَ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ‘‘ (مصنف ابنِ ابی شیبہ: کتاب الصلاۃ: ۷۷۱۳)

جو آدمی دو رکعت نماز پڑھے، اور اس میں دنیا کی کسی چیز کے بارے میں نہ سوچے، صرف اللہ کا دھیان اور استحضار رہے، اس کے بعد اللہ سے جو وہ مانگے وہ عطا کیا جائے گا۔

اس سے پتہ چلا کہ دھیان اصل ہے، غفلت سے یا دنیوی امور میں الجھ کر عبادت کرنے کا نام احسان نہیں ہے، بلکہ سوچ سمجھ کر اور دل سے حاضر ہو کر اور دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اللہ کی عظمت اور جلال کے مشاہدہ کے ساتھ عمل کرنے کا نام احسان ہے، اور یہی اخلاص کامل کا درجہ ہے۔

بزرگوں اور مسلمانوں نے اچھے اخلاق سے ہندوستان کے لوگوں کا دل جیتا

مذہب اسلام میں اخلاق کو جو اہمیت حاصل ہے، اس سے صرف نظر کرنا کسی بھی صورت میں صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جو دعا مانگتے تھے اس کا ایک حصہ یہ بھی ہوتا تھا کہ ’’اے میرے اللہ! تو میری بہتر سے بہتر اخلاق کی طرف رہنمائی فرما، تیرے سوا کوئی بہتر راہ نہیں دکھا سکتا اور برے اخلاق کو مجھ سے پھیر دے اور اس کو تیرے سوا کوئی نہیں پھیر سکتا‘‘۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں حسن اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، چونکہ حسن اخلاق کے ذریعہ پتھر دل بھی موم ہوجاتا ہے، اخلاق ہی کی بدولت ایک دوسرے کے دلوں کو جیتا جاسکتا ہے، اورحسن اخلاق کی وجہ سے دلوں میں خوش بختی و سعادتمندی پیدا ہوتی ہے اور ضمیر راضی ہوتا ہے، چونکہ آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اعلی اخلاق کے پرتو کامل تھے، چنانچہ غیر مسلموں پر سب سے زیادہ اثر ڈالنے والی چیز حسن اخلاق ہی ہے، ماضی میں بھی اسی کے بدولت لوگوں کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا ہوئی تھی اور اب بھی ہوسکتی ہے۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے اندر ایمان کامل پیدا کریں، عمل صالح پیدا کریں اور اخلاق حسنہ کو پیدا کریں، اگر ہمارے اندر اخلاق حسنہ پیدا ہوگئے تو تمام مسئلے حل ہوجائیں گے، اورہمیں دیکھ کر دوسرے لوگ ہماری اتباع کریں گے او رہماری باتوں کوغور سے سنیں گے اوراس پر عمل بھی کریں گے، اور کہیں گے کہ مذہب اسلام بہت اچھا مذہب ہے، چونکہ اکثر لوگ سطحی نظر کے ہوتے ہیں، زیادہ تر گہرائی میں نہیں جاتے، وہ آدمی کو دیکھتے ہیں، وہ آدمی کے اخلاق کو دیکھتے ہیں، اس کے طور طریقے کو دیکھتے ہیں، اس کے رہن سہن کو دیکھتے ہیں، ہندوستان میں جو لوگ مسلمان ہوئے ہیں وہ مسلمانوں کے اخلاق وکردار کو دیکھ کر ہی مسلمان ہوئے ہیں، ماضی میں برادران وطن ہندوں بھائیوں نے خواجہ معین الدین چشتی، قطب الدین بختیار کاکی، حضرت نظام الدین اولیاء اور خواجہ فریدالدین گنج شکر رحمہم اللہ کے کردار اور اخلاق حسنہ کو دیکھا، تو لاکھوں کی تعداد نے ان کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا،

یہ حضرات جدھر جاتے پورا کا پورا مجمع اسلام میں داخل ہوتا چلا جاتا، جب کہ ان حضرات نے تصنیف و تالیف سے نہیں، تقریر و خطابت سے نہیں بلکہ اخلاق حسنہ سے لوگوں کے دلوں کو جیتا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے۔

ہمارے پاس ایک نہیں بلکہ کئی مثالیں موجود ہیں کہ ہمارے اخلاق کو دیکھ کر لوگ توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو گئے، یہ ہمارے حسن اخلاق کا کمال تھا کہ غیروں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچا، مسلمانوں کے انہی اخلاق وصفات نے انڈونیشیا میں بھی اپنا کام کیا ہے، پورا کا پورا انڈونیشیا عرب تاجروں کے اخلاق کو دیکھ کر یا صوفیائے کرام کی روحانیت کو دیکھ کر مسلمان ہو گیا تھا، کشمیر کو لے لیجئے کہ جہاں ایک اللہ کا بندہ سید علی ہمدانی تشریف لے گیا، تو سارا کشمیر ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا، اسی طرح مشرقی بنگال سارا کا سارا صوفیائے کرام کے اخلاق و کردار کو دیکھ کر مسلمان ہو گیا تھا، چنانچہ اخلاق کے حصول کے لیے مجاہدہ و ریاضت کی ضرورت پیش آتی ہے؛ کیونکہ یہ ایسی دولت ہے جو غیرت و مروت، حیا و تواضع، حلم و ایثار، فراخ دلی اور بلند نگاہی جیسی صفت والے انسان ہی کو حاصل ہوتی ہے، برخلاف تعصب پرستی، تنگ نظری، حرص جاہ و مال والے انسان سے حسن خلق کوسوں دور ہوتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ انسان کے اندر اخلاق رذیلہ والی صفت نہ ہونے پائے، تب جا کر حسن اخلاق سے مزین ہو سکتا ہے، حسن اخلاق کے ذریعہ ایک عام انسان بھی نیکیوں کی ان بلندیوں تک آسانی سے پہنچ جاتا ہے، جہاں تک پہنچنے کے لیے ایک عابد و زاہد اور داعی کو بھی بڑے بڑے مجاہدات کرنے پڑتے ہیں؛ لیکن ادنی سے ادنی انسان کے اندر اگر اخلاق پایا جاتا ہے، تو یقینا اس کا حسن اخلاق

ایک نہ ایک دن ضرور رنگ لاتا ہے کیونکہ اخلاق ایک ایسا جوہر اور ہیرا ہے جو کسی بھی وقت اپنی چمک سے دوسروں کے سیاہ دل کو چمکا سکتا ہے۔

ایک واقعہ ہے کہ ایک شہر میں گنیش نامی شخص نے عمر سے پوچھا کہ مجھے فلاں محلہ کے فلاں مندر میں جانا ہے، عمر نے گنیش کو پتہ بتانے کے ساتھ اس کا سامان خود اٹھا کر اپنے سر پر رکھا اور اس کے ساتھ چل پڑا، گنیش منع کرتا رہا؛ لیکن عمر نے کہا کہ یہ تو میرے نبی کی سنت ہے، ہمارے نبی اور آخری پیغمبر نے ایک بوڑھی عورت کا سامان اٹھا کر اس کے گھر تک پہنچایا تھا، آج مجھے بھی اس سنت پر عمل کرنے کا موقع مل رہا ہے، چنانچہ عمر نے گنیش کو اس کے مقام تک پہنچا دیا اور کہا کہ وہ سامنے آپ کا مقام ہے، واپسی پر گنیش عمر سے بڑے محبت بھرے انداز میں ملا اور کہا کہ آپ جس محبت سے میرے ساتھ پیش آئے ہیں اور جس طرح آپ نے میری رہنمائی کی ہے، اس طرح کسی مسلمان نے آج تک نہیں کیا، چنانچہ گنیش عمر سے کافی متأثر ہوا، چند روز بعد گنیش عمر کے گھر آیا اور اس نے کہا کہ میں نے مسلمان ہونے کا فیصلہ کیا ہے، یہ سننا تھا کہ عمر کے دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور گنیش کو محلہ کی مسجد کے امام صاحب کے پاس لے گیا، جہاں اس نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرلیا۔

یہ بات پورے وثوق اور اعتماد سے کہی جاسکتی ہے کہ اس ملک میں اگر مسلمانوں کے لئے ترقی کرنے کا، عزت پانے کا، یا قیادت کا کوئی راستہ ہے تو داعی بن کر، اخلاق حسنہ اختیار کر کے، مسلمان آج سے پہلے زیادہ اقلیت میں تھے؛ لیکن اس ملک کے قائد تھے، اس ملک کی حفاظت کا انتظام بھی اللہ تعالی نے انہیں کے سپرد کر رکھا تھا، یہی

صورت حال اب بھی ہے کہ اگر ہم آج داعی کی حیثیت اختیار کرلیں تو اللہ تعالی اس کے طفیل میں سب کچھ عنایت فرما دیں گے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی زندگیوں میں تبدیلی لانے کی کوشش کریں، لوگوں کے سامنے نمونہ بنیں، ہم چھوٹے سے چھوٹے دوکاندار ہوں یا بڑے سے بڑے سرمایہ دار، بڑے ملازم ہوں یا چھوٹے درجہ کے ملازم، ہر حال میں اپنے اخلاق سے یہ ثابت کریں کہ مذہب اسلام ایک سچا مذہب ہے، جو صرف انسانیت کی تعلیم دیتا ہے، نفرتوں کے اندھیروں کو جڑ سے ختم کرتا ہے، اسلام میں اونچ نیچ، بھید بھاؤ کا قطعی گزر نہیں، اسلام میں گورے کالے، ذات اور برادری کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں، بس یہی پیغام برادران وطن ہندو بھائیوں کو پہنچایا جائے، بلکہ برادران وطن سے یہ کہا جائے کہ اسلام پیاسے کو پانی پلانے کا نام ہے، بھوکے کو کھانا کھلانے کا نام اسلام ہے، ننگے کو کپڑا پہنانے کا نام اسلام ہے، غریبوں اور مسکینوں کو گلے لگانے کا نام اسلام ہے، اخوت و بھائی چارگی کا نام اسلام ہے، مذہب اسلام اس روئے زمین پر بسنے والی تمام انسانیت کا مذہب ہے، نیز حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لئے تمام انسانوں کے لئے رسول و پیغمبر ہیں اور قرآن کریم ساری انسانیت کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے، اسلام صرف مسلمانوں ہی کا مذہب نہیں بلکہ یہ یہودیوں کا بھی ہے، عیسائیوں کا بھی ہے، برادران وطن ہندوؤں کا بھی ہے اور باقی تمام دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کا بھی اصل مذہب یہی ہے، چونکہ قیامت تک کے لئے یہی دین ہے، اب جو بھی اس کو مان لے گا، وہ کامیاب ہوگا اور جو نہیں مانے گا تو اس کے لئے آخرت میں بڑا خسارہ ہوگا۔

اس لئے ہم پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ ہم قرب وجوار کے ہندو بھائیوں کو اخلاق ومحبت کا گلدستہ پیش کریں کہ وہ ہم سے قریب ہوں، اور جب قریب ہوجائیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق انہیں دین سے قریب کریں، ورنہ کل قیامت کے دن ہماری پکڑ ہوگی اور اس وقت ہمیں بچنے کا کوئی موقع نہ ملے گا۔

(ماہنامہ نقوش اسلام،ص/22)

حسن اخلاق سے ہی انسان اللہ اور بندے کی نگاہ میں محبوب ہوتا ہے

مسلمان جب حسن اخلاق اور فضائل ومکارم سے اپنی حیات کو متصف کرتا ہے تو پھر وہ بارگاہ خداوندی اور مخلوق خداوندی دونوں میں مقبول ہوجاتا ہے، حسن اخلاق کے ذریعے جو مراتب وفضائل حاصل کئے جاسکتے ہیں، کسی اور چیز سے ممکن نہیں، جب آدمی اپنے آپ کو حسن اخلاق سے متصف کرتا ہے، وہ معاشرہ کا باعزت فرد بن جاتا ہے، اس کے مال عزت وآبرو پر دست درازی سے بھی انسان کتراتا ہے، اس کے مقابل جب انسان بے حیاء، بداخلاق ہوتا ہے، وہ ذلت، پستی اور خواری کی وادی میں منہ کے بل گر جاتا ہے، خود مسلمانوں کی سربلندی اور سرفرازی اور ان کی گذشتہ مجد وشرافت کی واپسی بھی اسی سے وابستہ ہے مسلمان اخلاق فاضلہ سے اپنے آپ کو متصف کرلے اور اخلاق رذیلہ اور سیئہ سے اجتناب کرنے لگے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی امتِ مسلمہ کو اخلاقِ حسنہ اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے اور بداخلاق، بداطوار،

بدکرداری سے کنارہ کشی کرنے کا حکم کیا ہے، مسلمان اچھے اخلاق، سچائی، امانت داری، وعدہ کی پاسداری، زبان کی صفائی، دل کی دھلائی، کینہ وکدورت سے دوری جیسے اوصاف سے متصف ہوتا ہے، اس میں جھوٹ، مکاری، عیاری، دغازی، گالی گلوچ، فحش، درشت روی، سخت روئی یہ تمام اوصاف ایک مسلمان کے نہیں ہوسکتے، سختی، شدت، غیبت، چغل خوری اس طرح کے اوصاف سے مسلمان عاری اور تہی دامن ہوتا ہے، مسلمان کسی کے درپے آزار نہیں ہوتا، اس کا سراپا وجود دوسروں کے لئے باعث رحمت ورافت ہوتا ہے، اس کی ہر نقل وحرکت، اس کا اٹھنا بیٹھنا دوسروں کے افادہ اوران سے تکلیف اور ضرر کو دور کرنے کے لئے ہوتا ہے، وہ صرف اپنے ذاتی نفع اندوزی کے دائرہ میں محدود ومحصور نہیں ہوتا، وہ دوسروں کو نفع پہنچانے کا باعث ہوتا ہے۔

حسن اخلاق کی دعوت: نبی کریمؐ نے امتِ مسلمہ کو حسن اخلاق سے اتصاف کا حکم کیا ہے، اخلاق فاضلہ سے متصف اشخاص کو خیار مسلمین (بہترین مسلمان) کہا ہے، حسنِ اخلاق کی جامع تعریف ملاعلی قاری نے یوں کی ہے: ''معاملات میں عدل کو تھامے رہنا، احکام کے نفاذ میں انصاف احسان وعدل کو اپنانا، اس سلسلہ کی صحیح تعریف یہ ہے کہ نبی کریمؐ کے لائے ہوئے احکام شریعت، آداب طریقت اور احوال حقیقت کو اپنانا'' (مرقاۃ المفاتیح: ۸/ ۳۱۷۰)

نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: ''میرے یہاں تم سے سب سے محبوب شخص حسن اخلاق سے متصف شخص ہے'' (بخاری:: ۳۷۵۹)

اور قبیلہ مزینہ کے ایک شخص سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ!

انسان کو عطا کردہ بہترین چیز کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''حسن اخلاق''

(شعب الایمان، تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اجلالہ وتوقیرہ، حدیث: ۱۴۳۵)

اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذاتِ خود حسن اخلاق کی تعریف فرمائی ہے: نواس بن سمعان سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نیکی اور اچھائی حسن اخلاق ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور لوگوں کا اس پر مطلع ہونا تمہیں ناپسندیدہ گذرے'' (مسلم، باب تفسیر البر والاثم، حدیث: ۲۵۵۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیکی کو حسن اخلاق کے مترادف بتایا ہے، گناہ کو حسن اخلاق کی نقیض اور ضد فرمایا ہے، فرمایا: حسن اخلاق ہی نیکی ہے، گناہ جو چیز تمہیں شک وترددمیں مبتلا کردے، جس سے اطمینان قلب حاصل نہ ہو اور تمہاری طبیعت پر وہ ناگوار گذرے۔

نرم خوئی حسن اخلاق سے ہے: مخلوق کی ساتھ نرمی، و نرم خوئی، لطف ومہربانی، سہولت وآسانی، مخلوق سے کلفت اور مشقت کو دوری کا سامان کرنا یہ حسن اخلاق سے ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر امت مسلمہ کو ابھارا ہے، اس پر اجر اور ثواب کا وعدہ فرمایا ہے، ''اللہ عزوجل نرم خو ہیں، وہ نرمی کو پسند فرماتے ہیں، نرمی خوئی پر وہ کچھ عطا کرتے ہیں جو دوسرے امور پر عطا نہیں کرتے'' (صحیح مسلم: باب فضل الرفق: ۲۵۹۳)

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ''تم نرمی کو اختیار کرو، سختی، فحش گوئی سے اجتناب کرو، جس چیز میں نرمی ہوتی ہے وہ اس کو زینت بخشتی ہے اور جس چیز سے نرمی چلی جاتی ہے اس کی زینت ختم ہوجاتی ہے'' (صحیح مسلم: باب فضل الرفق: ۲۵۹۴)

ایک دوسری روایت میں مروی ہے: جس کو نرمی کا کچھ بھی حصہ عطا کیا گیا اس کو دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا کی گئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: جس کو نرمی کا حصہ عنایت کیا گیا اس کو دنیا وآخرت کی بھلائی کا حصہ دیا گیا، جس کو اس سے محروم کر دیا گیا اس کو دنیا وآخرت کے خیر و بھلائی سے محروم کر دیا گیا'' (مسند احمد، مسند الصدیقہ عائشہ:۲۵۲۵۹)

حیاء کا تعلق بھی حسن اخلاق سے ہے: حکماء کے قول کے مطابق ''حیاء'' کہتے ہیں: ''ملامت کے لائق چیز کے خوف سے جو تبدیلی اور تغییر انسان میں پیدا ہوتا ہے اس کا نام ہے، بعض لوگوں نے ''حیاء'' کی دوسری تعریفات کی ہیں، جنید کہتے ہیں: نعمتوں کے حصول اور نعمتوں پر شکر کی عدم ادائیگی کی جو کیفیت ہوتی ہے اس کا نام ''حیاء'' ہے، ذالنون کہتے ہیں: ''اللہ عزوجل کے حضور جو اس سے سابق میں قصور ہوئے ہیں اس کی وحشت سے دل میں ہیبت اور خوف کا پیدا ہونا، دقاق کہتے ہیں: ''اللہ کے حضور دعوی کے ترک کرنے کا نام ''حیاء'' ہے (مرقاۃ المفاتیح:۸/۳۱۷۰)

اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''حیاء'' کا شمار حسن اخلاق میں فرمایا ہے: زید بن طلحہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: ہر دین میں اخلاق ہیں، اسلام کے اخلاق میں سے ''حیاء'' ہے (ابن ماجۃ:۴۱۸۱)

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''حیاء'' کو جزو ایمان قرار دیا ہے، فرمایا: ''حیاء ایمان کا جزء ہے'' (بخاری:۶۱۱۸)

یعنی حیاء انسان کو شرعی طور پر قبیح امور کے ترک یا طبعی یا شرعی قبیح امور کے اجتناب سے روکتی ہے اور ایک روایت میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہؐ

نے ارشاد فرمایا: ”پہلے انبیاء کے کلام میں یہ بات مروی ہے کہ ”جب تم میں حیاء نہ رہے تو جو چاہے کرو“ (بخاری: ۳۴۸۴)

چونکہ حیاء ہی نامناسب امور سے روکتی ہے، جب حیاء نہیں ہوتی انسان سے جو چاہے گناہ صادر ہوتے ہیں، اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے انجام دہ امور پر نظر کرے۔

حسنِ اخلاق سے متصف مومن کیسے ہوتا ہے: حسن اخلاق سے متصف انسان تکلیف کو برداشت کرتا، بدلہ کو ترک کرتا، ظالم پر رحم کرتا، مظلوم کا دفاع کرتا، اس کے لئے مغفرت طلب گار اور اس پر مشفق ہوتا ہے، دنیوی امور سے غافل، آخرت کی جانب راغب، یعنی یہ شخص نہایت نرم خو، سلامت رو ہوتا ہے، اس میں دھوکہ، مکاری وعیاری نہیں ہوتی تو ایسے شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کے اعلیٰ درجات کا مستحق قرار دیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا، فرماتے ہیں: ”مسلمان اپنے حسن اخلاق کی وجہ رات کے تہجد گذار اور دن کے روزہ دار کا رتبہ حاصل کرلیتا ہے“ (ابوداؤد: ۴۷۹۸)

اور ایک روایت میں فرمایا: ”مومن بھولا اور شریف ہوتا ہے اور گنہگار اور فاجر دھوکہ باز اور مکار ہوتا ہے“ (ترمذی: ۱۹۶۴)

بعض مواقع سے مومن کی مثال مطیع وفرماں بردار اونٹ سے دی گئی ہے، جو اپنے مالک کے تابع ہوتا ہے، اس کے بٹھانے پر بیٹھتا ہے اور اس کے اٹھانے پر اٹھ جاتا ہے، اس طرح مومن اور مسلمان ہر امر اور نہی میں اللہ کے حکم کے تابع ہوتا ہے، مکحول سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: ”مومن نرم خو، آسان تر، تابع

داراونٹ کے مثل ہوتا ہے؛ اگر اسے تابع کیا جاتا ہے تو تابع ہوتا ہے اور اگر اسے کسی پہاڑ پر بٹھایا جاتا ہے بیٹھ جاتا ہے (شرح السنۃ للبغوی:۳۵۰۶)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمیں حسن اخلاق سے متصف ہونا چاہئے، لوگوں کے ساتھ آسانی وسہولت اور نرم روی کا سلوک کریں، فحش گوئی اور بدکلامی سے پرہیز کریں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں اور آپ کی شریعت پر عمل پیرا ہو، اس کو اپنے زندگی میں نافذ کریں، اس سے ہمیں دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل ہوگی، اپنے آپ کو مکارم اخلاق سے متصف کریں، بداخلاقی سے اجتناب کا حکم کریں۔

قرآن پاک میں اچھے اخلاق کی تعلیم

اخلاق، خلق کی جمع ہے، یہ انسانی کردار کا وہ طرز ہے جس میں انسان بغیر کسی خاص ارادہ کے بہ سہولت اپنا عمل ظاہر کرتا ہے، اور اس میں انسان کے جذبات وخواہشات کارفرما ہوتے ہیں، جو بعض وقت خراب صورت کے حامل ہوتے ہیں، ان کو اچھے انداز کا بنانا اور خراب اور ناپسندیدہ طرز سے بچانا انسان کو قابل تعریف بناتا ہے۔

قرآنی ہدایات اس سلسلہ میں اعلیٰ اور پسندیدہ طرز اختیار کرنے کی تلقین کرتی ہیں، وہ انسان کی شخصی آزادی کو سلب نہیں کرتیں، بلکہ وہ انسانی معاشرہ میں انصاف اور ایک دوسرے کی ہمدردی اور رعایت کی طرف توجہ دلاتی ہیں تاکہ افراد میں اچھے کردار کا احساس فروغ پائے۔

قرآن کی جامع اخلاق آیت یہ ہے کہ جس میں قرآن نے اخلاق کی بنیادی تعلیمات کا پرچار کیا ہے:

{إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ}۔

''خدا تم کو انصاف، اور اچھا طریقہ کار اور رشتہ داروں کی مدد کا حکم دیتا ہے، وہ بے حیائی کی باتوں اور ناپسندیدہ عمل اور دوسروں کے ساتھ زیادتی کرنے سے روکتا ہے، وہ تم کو نصیحت کرتا ہے، (اس کے پیش نظر توقع ہے کہ) تم نصیحت حاصل کرو''۔

اس آیت کریمہ میں اللہ پاک نے اخلاق کی بنیادی تعلیم عدل واحسان کو قرار دیا ہے اور بے حیائیوں اور بری باتوں سے منع کیا ہے، تاکہ انسانی اخلاق اچھے اور بلند کردار کے ساتھ رائج ہو اور بے توجہی کا شکار نہ ہو جائے۔ (محاضرات القرآن، ص:۳۹۸)

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں جگہ جگہ اعلیٰ انسانی کردار و اخلاق کی تلقین ملتی ہے، اور وہ سادہ انداز میں اور دل کو موہ لینے والے اسلوب میں بیان کی گئی ہے۔

حسن اخلاق اور نفس پر قابو رکھنا

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔

(آل عمران: ۱۳۴)

''اور غصہ کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں، اور خدا نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔''

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (الاعراف:۱۹۹)

''(اے محمدؐ) عفو اختیار کرو، اور نیک کام کرنے کا حکم دو، اور جاہلوں سے کنارہ کرلو۔''

تہذیب اخلاق وتزکیۂ نفس

قرآن مجید چونکہ نسلاً بعد نسل قیامت تک آنے والے انسانوں کے لحاظ سے زیادہ جامع اور ضرورت کی ساری چیزوں پر حاوی ہونے کے لحاظ سے اتارا گیا، جو انسانوں کے تمام اصناف وانواع اور طبقات کی ضرورت کا احاطہ کرنے والا ہے ''الکتاب'' کے نام سے موسوم کیا گیا، فرمایا۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَاةَ وَالإِنجِيلَ، مِن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ۔ (سورہ آل عمران: ۳-۴)

''اس نے (اے محمد) تم پر سچی کتاب نازل کی جو پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اسی نے توریت اور انجیل نازل کی (یعنی) لوگوں کی ہدایت کے لئے پہلے (توریت اور انجیل اتاری) اور (پھر قرآن جو حق اور باطل کو) الگ الگ کردینے والا ہے نازل کیا۔''

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کائنات کے بنانے اور انسان کو پیدا کرنے والے نے اپنی مخلوقات میں سے اعلیٰ صلاحیتوں کی مخلوق انسان کے لیے اخلاق وکردار کا نظام مقرر کیا ہے، اور انسان کے کردار کو جانچنے کے لیے اس نظام کو اختیار اور اختیار نہ کرنے کا اختیار دیا ہے، وہ اپنے اختیار سے برے کام کو چھوڑ کر اچھا کام اختیار کرے تو اس کی اچھائی کا صحیح اظہار ہوا، اخلاق وکردار کے اس نظام میں اولاً اپنے خالق ومالک کے

احسان کو کہ اس نے انسان کو انسان کے لیے زندگی کے سارے وسائل مہیا کیے، جن سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنے لیے راحت اور لطف حاصل کرسکتا ہے اور صحت کے لیے علاج و معالجہ کے سارے اسباب مہیا کیے ہیں، اس کے احسان کو ماننے اور اپنے عمل سے احسان مندی کا ثبوت دے، اور احسان مندی کے اس ثبوت کے لیے اپنے دماغ وقلب سے اپنے خالق و مالک کے احسان کو ماننے اور چند متعین طریقہ کار ہیں جن کے ذریعہ وہ اظہار کرے، اس سلسلہ میں قرآن مجید کے اندر جگہ جگہ نشاندہی کی گئی اور وضاحت کی گئی، اسی طرح قرآن مجید انسان کے لیے کتاب ہدایت بن گئی، اللہ تعالیٰ اس کی بڑی اور دوسری سورت کے آغاز میں فرماتا ہے:

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لاَ رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ o الَّذِيْنَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُونَ الصَّلاَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ o والَّذِيْنَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ o أُوْلَئِكَ عَلَى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ o (سورہ بقرہ:۱-۵)

اور دوسری جگہ فرمایا ہے:

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يِهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْراً كَبِيْراً o وأَنَّ الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِالآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَاباً أَلِيْماً o (بنی اسرائیل:۹-۱۰)

ان مذکورہ آیات کے ذریعہ چند متعینہ امور ظاہر ہو جاتے ہیں کہ انسان کا دل ودماغ اپنے خالق و مالک کے احسان کو ماننے والا اور اس کی عظمت و بڑائی اور وحدانیت

کو تسلیم کرنے والا ہو، اور اخلاق و کردار کے طریقہ کار کے لیے اس نے جو ہدایت دی ہے اس پر عمل کرنے والا ہو، اور یہ کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی بھی رکھی گئی ہے جس کو آخرت کہا گیا ہے کہ اس پر یقین رکھنے والا ہو اور وہاں کی کامیابی یہاں کے عمل کے مطابق ہوگی۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

وَقَضَى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماً o وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً o رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ إِن تَكُونُواْ صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلأَوَّابِينَ غَفُوراً o وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِيراً. إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُواْ إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُوراً o وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاء رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلاً مَّيْسُوراً o وَلاَ تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ وَلاَ تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوماً مَّحْسُوراً o إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاء وَيَقْدِرُ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيراً بَصِيراً o وَلاَ تَقْتُلُواْ أَوْلادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُم إنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْءاً كَبِيراً o وَلاَ تَقْرَبُواْ الزِّنَى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاء سَبِيلاً o وَلاَ تَقْتُلُواْ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّهُ إِلاَّ بِالحَقِّ وَمَن قُتِلَ مَظْلُوماً فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَاناً فَلاَ يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُوراً o وَلاَ تَقْرَبُواْ مَالَ الْيَتِيمِ إِلاَّ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ

وَأَوْفُواْ بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولاً o وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذا كِلْتُمْ وَزِنُواْ بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلا o وَلاَ تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولا o وَلاَ تَمْشِ فِي الأَرْضِ مَرَحاً إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولا o كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوها o ذَلِكَ مِمَّا أَوْحَى إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ وَلاَ تَجْعَلْ مَعَ اللّهِ إِلَهاً آخَرَ فَتُلْقَى فِي جَهَنَّمَ مَلُوماً مَّدْحُوراً o (سورہ بنی اسرائیل: ۲۳-۳۹)

''اور تمہارے پروردگار نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں، تو ان کو اف تک نہ کہو، اور نہ انہیں جھڑکنا، اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا، اور عجز و نیاز سے ان کے ساتھ رہو، اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار جیسا انہوں نے مجھے بچپن میں شفقت سے پالا ہے تو بھی ان کے حال پر رحم فرما، جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تمہارا پروردگار اس سے بخوبی واقف ہے، اگر تم نیک ہو گے تو وہ رجوع لانے والوں کو بخش دینے والا ہے، اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو، اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ، کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے پروردگار (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا (یعنی ناشکرا) ہے، اور اگر تم اپنے پروردگار کی رحمت (یعنی فراخ دستی) کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہو ان (مستحقین) کی طرف توجہ نہ کر سکو تو ان

سے نرمی سے بات کہد یا کرو، اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کرلو، (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ ہی بالکل کھول دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو اور انجام یہ ہو کہ) ملامت زدہ اور ہاتھ باندھ کر بیٹھ جاؤ، بیشک تمہارا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے، اور ان کو دیکھ رہا ہے، اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا، کیونکہ ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں، کچھ شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے، اور زنا کے پاس بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے، اور جس جاندار کا مارنا خدا نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرنا، مگر جائز طور پر (یعنی بہ فتویٰ شریعت) اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ ظالم قاتل سے بدلہ لے) تو اس کو چاہئے کہ قتل (کے قصاص) میں زیادتی نہ کرے، وہ منصور اور فتحیاب ہے، اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکنا، مگر ایسے طریقے سے کہ بہت بہتر ہو، یہاں تک وہ جوانی کو پہنچ جائے، اور عہد کو پورا کرو، کہ عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہوگی، اور جب کوئی چیز ناپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو، اور جب تول کر دو تو ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو، یہ بہت اچھی بات ہے، اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت بہتر ہے، اور اے بندے جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب جوارح سے ضرور باز پرس ہوگی، اور زمین پر اکڑ کر اور تن کر مت چل کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا، اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ جائے گا، ان سب عادتوں کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک بہت ناپسند ہے، اے پیغمبر یہ ان ہدایتوں میں

سے ہے جو خدا نے دانائی کی باتیں تمہاری طرف وحی کی ہیں، اور خدا کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنانا کہ ایسا کرنے سے ملامت زدہ اور درگاہ خدا سے راندہ بنا کر جہنم میں ڈال دئے جاؤ گے۔"

قرآن مجید میں عقیدہ کی درستگی کے سلسلہ میں ضروری تاکید کے بعد دوسری انسانی برائیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جو گذشتہ قوموں میں مختلف طور پر پائی جاتی تھیں، مثلاً قوم عاد میں شرک کے ساتھ تکبر اور ظلم اور قوم ثمود میں شرک کے ساتھ اپنی صنّاعی پر فخر اور دوسری خراب باتیں، اور قوم لوط میں شرک کے ساتھ لواطت، فحاشی اور بے ہودگی اور قوم مدین میں شرک کے ساتھ ناپ تول میں بے ایمانی کرنا اور تجارتی لین دین میں بد دیانتی کرنا، اور فرعون کا خود کو خدا قرار دینے کے ساتھ اپنی قوم کے علاوہ دیگر قوموں کو حقیر سمجھ کر ان کو ذلیل کرنا، اور غلام بنا لینا اور تکبر کرنا۔

ان باتوں کے تذکرے کے علاوہ جو خرابیاں آئندہ انسانوں میں پیدا ہو سکتی ہیں ان کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے اور دیگر نبیوں نے ان کے سلسلہ میں جو ہدایات دی ہیں ان کا بھی تذکرہ ہے، وہ اچھی باتیں: آپس میں ہمدردی اور تکبر سے بچنا، اور ایک دوسری کی حق تلفی سے پرہیز کرنا، انسانی جان کی حفاظت اور دوسرے کا مال بلا اس کی اجازت کے نہ لینا، تواضع، اخلاق سے پیش آنا، بے جا فخر وغرور سے پرہیز کرنا اور انسانیت وشرافت کی جو جو خصلتیں ہیں ان کو اختیار کرنا ہیں، اسی طرح ماں باپ کا خیال اور ماں باپ کی طرف سے اولاد کا خیال اور یہ کہ ایک دوسرے کے فائدے اور سہولت کی فکر رکھیں، اور خاندانی تعلقات اور ذمہ داریاں اور پڑوسیوں کے حقوق

اور ظلم و بے راہ روی کو روکنے کی کوشش اور اچھے طور وطریق کو اختیار کرنے کی تلقین، انسانوں کے اخلاق و عادات میں ہونے کی اہمیت بتائی گئی ہے، مثلاً سورہ بنی اسرائیل میں مذکورہ بالا آیات میں ضروری باتوں کا تذکرہ آچکا ہے۔

اور سورہ لقمان میں ان خصلتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ، وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ○ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ، اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ، اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ○ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا، وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ، ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ، اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ○ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ، اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ○ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ، اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ○ (سورۃ لقمان: ۱۳-۱۹)

''اور اس وقت کا ذکر کیجیے جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے بیٹا! اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا، بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے، اور ہم نے انسان کو

تاکید کی اس کے ماں باپ کے متعلق، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے، کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر، میری ہی طرف واپسی ہے، اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں، تو تو ان کا کہنا نہ ماننا، اور دنیا میں ان کے ساتھ شرافت کے ساتھ بسر کیے جانا، اور اسی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو، تم سب کو میرے پاس آنا ہے، پھر جو کچھ تم کرتے رہتے تھے میں تمہیں سب جتلا دوں گا، اے بیٹا! اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو، پھر کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں ہو، یا زمین کے اندر ہو اللہ اسے لے ہی آئے گا، بے شک اللہ بڑا باریک بیں ہے، بڑا باخبر ہے، اے میرے بیٹے، نماز کو قائم رکھ، اور بھلائی کی نصیحت کیا کر اور برائی سے منع کیا کر، اور جو کچھ تجھ پر پڑے اور اس پر صبر کیا کر بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے، اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر، اور زمین پر اکڑ کر مت چل بے شک اللہ کسی تکبر والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر، اور اپنی آواز کو پست رکھ، بے شک سب سے بری آواز گدھے کی ہوتی ہے۔"

اور سورۂ حجرات میں اس طرح تذکرہ ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بالألقاب o بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ o يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ o يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (سورۃ الحجرات:۱۱-۱۳)

’’اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں، تو ان میں صلح کرادو، اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع لائے پس جب وہ رجوع لائے تو دونوں فریق میں مساوات کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف سے کام لو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں میں صلح کرادیا کرو، اور خدا سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔ مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں عورتوں سے تمسخر کریں، ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں، اور اپنے مومن بھائی کو عیب نہ لگاو اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو، ایمان لانے کے بعد برا نام رکھنا گناہ ہے، اور جو توبہ نہ کریں، وہ ظالم ہیں، اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو، کہ بعض گمان گناہ ہیں، اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کرو، اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں کوئی اس بات کو پسند کرے گا اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور خدا کا خوف رکھو، بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان

ہے،لوگو ہم نے تم کوایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا،اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے بےشک خدا سب کچھ جاننے والا ہے اور سب سے خبردار ہے۔

اور سورہ مؤمنون میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ٥ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ٥ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ٥ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْن٥ إلاعَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُمَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَاءَ ذٰلِكَ فَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ٥ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمٰانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ٥ اُوْلٰئِكَ هم الْوَارِثُوْنَ ٥ اَلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ٥ (المومنون:۱-۱۱)

’’یقیناوہ مومنین فلاح پا گئے جو اپنی نماز میں خشوع رکھنے والے ہیں،اور جولغو بات سے برکنار رہنے والے ہیں،اور جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں،اور جو اپنی شرم گاہوں کی نگہداشت رکھنے والے ہیں،ہاں البتہ اپنی بیویوں اور باندیوں سے نہیں کہ ان پر کوئی الزام نہیں،ہاں جوکوئی اس کے علاوہ کا طلب گار ہوگا سو ایسے ہی لوگ تو حد سے نکل جانے والے ہیں،اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھنے والے ہیں، اور جو اپنی نمازوں کی پابندی رکھنے والے ہیں،بس یہی لوگ وارث ہونے والے ہیں ،جوفردوس کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔‘‘

صاحب حق کا اخلاق

حق کی ادائیگی کا مسئلہ زیادہ اہم ہے، تاہم صاحب حق بھی اگر عفو و درگزر، نرمی اور مسامحت سے کام لے، تو اس کے حق میں بڑی فضیلت ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

رحم اللّٰہ عبداً سمحاً إذا باع وسمحاً إذا اشتریٰ وسمحاً إذا اقتضیٰ۔

(رواہ البخاری وابن ماجہ)

اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اس بندے پر جو فروخت کرے تو نرم مزاج ہو، خریدے تو نرم مزاج ہو، اور تقاضا کرے تو نرم مزاج ہو۔

نرمی و شرافت ہر حال میں قائم رہے، تو نبی رحمت ا نے اس پر رحمت کی دعا فرمائی ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إن الله يحب سمح البيع وسمح الشراء وسمح القضاء، (رواہ الترمذی)

جو شخص بیچنے، خریدنے اور ادائیگی میں نرم مزاج ہو، اس سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتے ہیں۔

حضرت حذیفہ ص ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کا ایک بندہ ہے، جسے اللہ نے مال عطا فرمایا تھا، اللہ کے حضور میں لایا گیا، فرمایا تم نے دنیا میں کیا عمل کیا، اس نے کہا (اور اللہ سے کوئی بات لوگ چھپا نہیں سکتے) اے پروردگار! آپ نے مجھے مال عطا فرمایا تھا، میں لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کرتا تھا، اور میری طبیعت میں سہولت اور نرمی تھی، میں مالدار کے لئے بھی آسانی کرتا تھا، اور غریب کو تو مہلت دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا میں تم سے زیادہ اس چیز کا حقدار ہوں، میرے بندے سے درگزر کرو۔

یہ سن کر حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت ابومسعود انصاری نے فرمایا، ہم نے اسی طرح رسول اللہ کی زبان مبارک سے سنا ہے۔ (رواہ مسلم)

مقروض کو جو عمل کرنا ہے، وہ آپ نے دیکھ لیا، اور قرض خواہ کو جو معاملہ کرنا ہے، وہ بھی پڑھ لیا، اللہ کا حکم ہے، اور نبی کا فرمان ہے، اور تمام خیر وفلاح اللہ ورسول کی اطاعت میں ہے، **وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا** (سورۃ الاحزاب)

جو کوئی اللہ ورسول کی اطاعت کرتا ہے، وہ بڑی کامیابی حاصل کرتا ہے۔

فاتح بننے کے لئے صاحب اخلاق بننا پڑے گا

جب سلطان صلاح الدین ایوبیؒ عیسائیوں کے خلاف جنگیں لڑ رہے تھے اور عیسائیوں نے ان جنگوں کو صلیبی جنگوں کا نام دیا تھا، ایک چور رات کو ایک عیسائی کے خیمے میں جا گھسا اور ایک ماں سے اس کا شیر خوار بچہ چھین کر غائب ہو گیا، ماں روتی پیٹتی عیسائی بادشاہ رچرڈ شیر دل کے پاس گئی اس نے کہا میں بے بس ہوں، تم صلاح الدین کے پاس جاؤ۔

چنانچہ وہ اسلامی لشکر کے خیموں سے گزر کر سلطان صلاح الدین کے ہاں پہنچی، صلاح الدین نے اسے عزت سے بٹھایا، توجہ سے بات سنی اور پھر تیز رفتار سواروں کو حکم دیا کہ جاؤ اور چور تلاش کرو وہ سوار سب سے پہلے بازار میں گئے، انہیں معلوم ہوا کہ فلاں آدمی نے کسی ناواقف سے ایک بچہ خریدا ہے، یہ اس بچے کو لیکر واپس آ گئے جو

نہی ماں کی نظر اپنے بچے پر پڑی وہ اس کی طرف لپکی اور اس کے ساتھ چمٹ گئی، صلاح الدین ایوبیؒ نے خریدار کو دوگنی رقم دے کر بچہ خرید لیا اور اس خاتون کو گھوڑے پر سوار کرکے بحفاظت اس کے خیمے میں پہنچا دیا، جب یہ کہانی رچرڈ تک پہنچی تو اس نے فوجی سرداروں سے کہا جن لوگوں کے پاس اخلاق کی یہ قوت موجود ہو ان سے لڑنا خودکشی ہے۔ (بچوں کا اسلام شمارہ نمبر ۱۶۸)

حسنِ اخلاق سے پیش آنا ضروری

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہربانی کرنے والے جو ہیں اُن پر رحمن مہربانی فرماتا ہے۔ تم زمین والوں پر مہربانی کرو اللہ تعالیٰ اور آسمان کے فرشتے تم پر مہربانی کریں گے۔ اس حدیث شریف کا مطلب ظاہر ہے کہ اگر تمہاری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر مہربانی کرے اور نظر رحمت فرمائے تو تم کو چاہئے کہ ہر انسان پر خواہ وہ دوست ہو یا دشمن، مسلم ہو یا کافر مہربانی کرو مثلاً بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، ننگوں کو کپڑا پہناؤ، بیماروں کی خبر لو، اندھوں کو راستہ بتاؤ، مصیبت زدوں کی مصیبت دور کرنے میں کوشش کرو۔ غرض یہ کہ ہر انسان کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ اور جہاں تک ہو سکے اس کی مدد کرو۔ یہ بڑے اجر و ثواب کا کام ہے اور یہی انسانیت کا تقاضہ ہے۔ جس انسان کے دل میں خدا کے بندوں پر مہربانی کرنے کا جذبہ نہیں وہ خدا کی رحمت سے محروم ہے۔

امام اعظمؒ نے اپنے حسن اخلاق سے دشمن کے دل کو جیت لیا

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سبق پڑھا کر درسگاہ سے نکلتے ہیں ایک شخص آپ کو گالیاں دیتا ہے، آپ کے بچوں اور خاندان کو بھی گالی دے رہا ہے لیکن حضرت خاموشی سے چل رہے ہیں، حضرت کوئی معمولی انسان نہیں اللہ تعالیٰ نے علم دین میں وہ مقام و مرتبہ عطا کیا کہ امام اعظم کے لقب سے رہتی دنیا تک ان کو یاد کیا جائے گا اور سارے ہی مسلمان ان کے علم و تحقیق اور مسائل و فقہ سے استفادہ کرتے رہیں گے اور آج پچھتر فی صد مسلمان انھیں کے مسلک پر عمل پیرا ہیں، مال و دولت سے بھی اللہ تعالیٰ نے خوب خوب نوازا تھا اور بڑے بڑے امراء و سلاطین ان کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھا کرتے تھے، علماء کی ایک بڑی تعداد کو اپنی طرف سے تنخواہ دے کر دین کے کام میں لگاتے لیکن ایک شخص آپ کو گالیاں دے رہا ہے جب حضرت اپنے گھر پہنچ گئے تو اس سے فرمایا کہ اب میرا گھر آ گیا اگر تمہاری گالیاں ختم ہو گئی ہوں تو بہت اچھی بات ہے تشریف لے جایئے اور اگر ابھی ختم نہیں ہوئی تو اندر آ جایئے گالیاں دیتے رہئے جب ختم ہو جائیں گی تو پھر چلے جایئے گا، اس آدمی نے کہا کہ حضرت واقعی آپ امام اعظم ہیں اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں، اگر میں کسی اور کو گالیاں دیتا تو وہ ہرگز نہ چھوڑتا لیکن آپ کا اخلاق تو بڑا اونچا ہے کہ آپ نے اپنا گھر بھی کھول دیا کہ اندر آ کے گالیاں دو، حضرت! میں معافی چاہتا ہوں۔

آپ اس سے اندازہ لگایئے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق کتنے بلند تھے، آدمی کے اخلاق جب اچھے ہوں گے تو دشمن بھی دوست بن جائیں گے۔

شیخ یونس رحمۃ اللہ علیہ کا اخلاص، اخلاق اور عالی مقام

اخلاق وصفات میں حضرت شیخ یونس نہایت اونچے مقام پر فائز تھے، اور کیوں نہ ہوتے جب کہ آپ کو مخلص اور تقویٰ شعار اساتذہ اور نمونۂ اسلاف مشائخ سے اکتساب فیض کا موقع ملا تھا، شیخ یونس کو حضرت شیخ زکریا اور مولانا اسعد اللہ رحمہم اللہ دونوں مشائخ سے خلافت واجازت حاصل تھی، شیخ یونس کے تقوے کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ کے خلفشار کے بعد تنخواہ لینا ترک فرما دیا، مزاج میں بے پناہ استغناء تھا، حضرت شیخ کے ایک شاگرد شیخ یعقوب دہلوی نے بیان کیا کہ مدینہ منورہ تشریف لانے پر عرب علماء شیخ یونس کے جوتے سیدھے کرنا اپنا شرف سمجھتے تھے، ایک سفر میں ان عرب شاگردوں نے اتنے ہدایا دئے کہ ریالوں سے دو تھیلے بھر گئے، مدینہ سے واپسی پر شیخ نے مجھے حکم دیا کہ سارے پیسے مدینہ منورہ ہی میں غرباء میں تقسیم کردوں، میں نے باصرار کہا کہ حضرت اپنی ضرورت کے بقدر رکھ لیں، لیکن وہ تیار نہیں ہوئے اور ایک ایک ریال صدقہ کروادیا، ایک عرب عالم دین نے شیخ یونس کے زہد وتقوے کا ذکر ان الفاظ میں کیا وہو آیۃ فی الزہد والورع حضرت شیخ اتباع سنت کا حد درجہ اہتمام فرماتے تھے، ان کی مجلس نہایت باوقار اور سنجیدہ ہوتی تھی، ادب وتعظیم کا بڑا لحاظ فرماتے تھے، مشائخ حدیث اور علماء کی جانب سے جب کوئی قیمتی کتاب ہدیہ میں دی جاتی تو اسے سر پر رکھ لیتے، عرب عالم دین محمد زیاد بن عمر تکلہ۔ جنھوں نے ''الیواقیت الغالیہ'' کے تخریج شدہ ایڈیشن پر مقدمہ لکھا ہے۔ لکھتے ہیں: ''شیخ بن باز سے متعلق جب میری

کتاب ہمارے دوست شیخ محمد الحریری نے شیخ یونس کی خدمت میں پیش کی تو شیخ نے اسے چوما اور اپنے سر پر رکھا اور شیخ بن باز کے حق میں تعریفی کلمات ارشاد فرمائے‘‘ (مقدمہ الیواقیت الغالیہ)

حضرت شیخ بڑے رقیق القلب تھے، بہت جلد ان پر گریہ وزاری کی کیفیت طاری ہوتی تھی، شیخ میں تواضع وانکساری حد درجہ تھی، طلبہ کی بڑی حوصلہ افزائی فرماتے تھے، نیز منکرات پر نکیر کا بڑا اہتمام تھا، شیخ یونس ایک زاہد وقانع انسان تھے، لیکن احوال عالم سے بے خبر نہیں تھے، عالم اسلام اور مسلمانوں کے حالات سے باخبر رہتے تھے، ’’الیواقیت الغالیہ‘‘ کے جامع مولانا ایوب سورتی لکھتے ہیں: ’’سری لنکا کے ایک شیخ الحدیث بغرض حصول اجازت حدیث حاضر خدمت ہوئے، حضرت والا نے ایک حدیث تلاوت فرما کر اجازت عنایت فرمائی، اس کے بعد سری لنکا کی شخصیات وحالات، مزاج ورہن وسہن اور بود وباش پر بھی گفتگو فرمائی، ملیشیا کے ایک محدث حاضر خدمت ہوئے ان کو اجازت حدیث عطا فرمائی، پھر وہاں کی تحریکات مذاق ومعیار، شخصیات اور حالات کا اس طرح تجزیہ کیا جیسے وہ نگاہ کے سامنے ہوں، ملی ہمدردی کا جذبہ بھی بے پناہ تھا، فسادات کے موقع پر خود بھی بڑھ چڑھ کر تعاون فرماتے اور اہل خیر سے تعاون کی اپیل فرماتے، مظفر نگر فسادات کے موقع پر اپنا پرانا سامان روانہ فرمایا، نیز فساد زدگان کے لیے خطیر رقم بھی ارسال فرمائی، دوران سفر جو ہدایا ملتے چاہے وہ کتنے ہی قیمتی ہوں مختلف مدارس میں تقسیم فرمانے کا معمول تھا، مادر علمی مظاہر علوم سے بے پناہ محبت تھی، شہر میں موجود اپنے دو منزلہ مکان کو مظاہر علوم کو تحریری طور

پر وقف فرمایا، اسی طرح لائق کاشت اراضی بھی مدرسہ کو وقف فرمادی، شیخ کے شاگرد مولانا سہیل مظاہری نے ایک تعزیتی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ ختم نبوت کے ایک جلسہ میں شیخ موجود تھے، منتظمین نے اظہار خیال کی درخواست کی، لیکن کسی وجہ سے شیخ نے معذرت کردی، بعد میں اکثر وہ اس پر قلق ظاہر کرتے تھے کہ کاش تحفظ ختم نبوت کے جلسہ میں میں نے بھی چند جملے کہہ دیا ہوتا تو اس تعلق سے سے کوشش کرنے والوں میں میرا بھی نام شامل ہوتا، شیخ کے ایک اور شاگرد مولانا غیاث الدین مظاہری نے بیان کیا کہ چند ماہ قبل آخری ملاقات کے دوران شیخ یونس نے برجستہ کہا ملاقات کرلو، دیکھ لو، آئندہ جب سہارنپور آؤ گے تو یونس سے ملاقات نہ ہوگی، یونس کی قبر پر حاضری دینا، ویسے ۲۰۱۷ء میں کئی علماء ومشائخ دارفانی سے کوچ کر گئے لیکن حضرت شیخ یونس کی وفات ایک ایسا سانحہ ہے جس نے امت کے ہر طبقہ کو ملول کردیا، کسی نے سچ کہا ؂

ستارے ٹوٹتے رہے ہیں شب وروز لیکن
غضب تو اب ہوا ہے جو آفتاب ٹوٹا ہے

اخلاق وعادات

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ تسلیم ورضا اور صبر وشکر کے مجسم پیکر تھے، اوائل عمری سے وہ مختلف امراض وعلل میں مبتلا ہو گئے تھے، مگر اس کے باوجود طلبہ کی تعلیم وتربیت میں برابر مشغول رہے، ان کی زندگی میں ان کے تینوں برادرانِ خورد فوت ہو گئے، جن کی تعلیم وتربیت خود شاہ صاحب کے ہاتھوں انجام پائی تھی، ان کا غم

ہی کیا کم تھا کہ اس پر مزید ان کی تینوں صاحبزادیاں ان کے سامنے سپرد خاک کی گئیں، مگر ان تمام حوادث کے باوجود شاہ صاحب نے طلبہ وعوام کے افادے کا سلسلہ مستقل جاری رکھا اور نہایت بشاشت اور وسیع القلبی کے ساتھ اس مقدس فریضہ کی ادائیگی میں مشغول رہے۔ (تذکرۂ مفسرین ہند: ۲/۱۷۰)

بوعلی سینا ''اخلاق ندارد''

بوعلی سینا جو بہت بڑا حکیم گزرا ہے، اس کے زمانے میں ایک بزرگ تھے، انھوں نے ایک دفعہ بوعلی سینا کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ ''بوعلی سینا اخلاق ندارد''۔ یعنی بوعلی سینا اخلاق نہیں رکھتا۔ یہ جملہ جب بوعلی سینا کو معلوم ہوا، تو اُس نے ''اخلاقیات'' میں ایک بہترین کتاب تصنیف کر دی اور اس میں اخلاق کی تمام تفصیلات جمع کر دیا۔ اخلاق کے اصول وفروع، اخلاق کی اقسام وانواع، اخلاق کے آثار ولوازمات، وغیرہ سب کچھ لکھ دیا اور ایک نسخہ اُن بزرگ صاحب کے پاس بھی بھیجا، جنھوں نے یہ کہا تھا کہ ''بوعلی سینا اخلاق ندارد''۔ تو کسی نے ان بزرگ سے عرض کیا کہ حضرت! آپ نے کہا تھا کہ بوعلی سینا اخلاق ندارد، اُس نے تو اخلاق پر اتنی زبردست کتاب لکھ کر بتا دیا ہے کہ وہ اخلاق جانتا ہے۔ حضرت نے کہا کہ میں نے کب یہ کہا تھا کہ بوعلی سینا اخلاق نداند، کہ بوعلی سینا اخلاق جانتا نہیں، میں نے تو یہ کہا تھا کہ ''اخلاق ندارد''، یعنی وہ اخلاق رکھتا نہیں، جاننا الگ بات ہے، رکھنا الگ بات ہے، کتاب لکھ دینا الگ بات ہے اور اُسے عملی جامہ پہنانا الگ بات ہے۔

عورتوں کے ساتھ حسنِ اخلاق کی تلقین

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''مسلمانوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان والے وہ ہیں، جن کے اخلاق سب سے عمدہ ہوں اور تم میں بہترین لوگ وہ ہیں، جو اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے ہوں۔'' (ریاض الصالحین: ۲۳۰)

دیکھیے اس ارشادِ مبارک میں ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں کو سب سے بہتر قرار دیا ہے، جو اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئیں۔ اس طرح اس میں مردوں کو تعلیم و تلقین ہوگئی کہ عورتوں کے ساتھ عمدہ اخلاق سے پیش آنا چاہیے۔ کیا اس سے اسلام میں عورتوں کے حقوق کی رعایت وحفاظت کا علم نہیں ہوتا؟ (جواہر شریعت مجموعہ رسائل جلد نمبر 3)

غرض اسلام نے عورتوں کے درجے کو بلندی وعظمت کی انتہائی منزل تک پہنچایا ہے اور اس کے حقوق کو پورا پورا تحفظ عطا فرمایا ہے۔ یہ چند امور نمونے کے طور پر عرض کیے گئے ہیں؛ ورنہ اس موضوع پر مواد جمع کیا جائے، تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں مسلمان کے اخلاق

یَاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد و زن سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو پہنچان سکو بلا شبہ تم میں سب سے زیادہ باعزت اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور بڑی خبر رکھنے والے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو آدم مٹی سے بنے تھے لہٰذا تم میں کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر اور کسی گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی وجہ سے یعنی جس کے اندر جتنا اللہ کا خوف ہوگا وہ اتنا ہی اللہ کے نزدیک باعزت ہوگا انسان ہونے میں تو سب لوگ برابر ہیں خواہ دنیا کے کسی گوشہ اور کونے میں زندگی گذارتے ہو۔ اسلام کی تعلیم کتنی اعلیٰ ہے اور کس طرح اس نے اونچ نیچ کے فرق و امتیاز کو مٹا دیا اور اسکے ساتھ ساتھ اچھا اور عمدہ اخلا پیش کرنے کی تلقین اور تاکید بھی کی ایک حدیث میں فرمایا گیا: اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہُ فَاَحَبَّ الْخَلْقُ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنُ اِلٰی عَیَالِہٖ۔ ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے لہٰذا اللہ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت ان بندوں سے ہے جو اس کی عیال کے ساتھ احسان کریں۔ جس طرح آدمی اپنے بچوں کی کفالت کرتا ہے اسی طرح ساری مخلوق کی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کفالت کرتے ہیں اگر کوئی ان مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو اللہ تعالیٰ بہت پسند کرتے ہیں۔

اسلامی اخلاق اپنانے سے ایک مسلم میں جو اوصاف پیدا ہوتے ہیں ان کا ذکر امام الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب 'احیاء علوم الدین اور دیگر علماء دین نے کیا ہے۔ ان کو مختصر طور پر بیان کرتا ہوں۔

حقوق ادا کرنا (حقوق اللہ وحقوق العباد)

صلہ رحمی کرنا۔

دوسروں کے لئے وہی پسند کرنا جو اپنی پسند ہو۔

مہمان نوازی کرنا۔

کمزوروں، ضعیفوں سے بھلائی کا برتاؤ کرنا۔

یتیموں اور بیواؤں کی دیکھ بھال اور مدد کرنا۔

خیر کے علاوہ کچھ اور نہ زبان سے نکالنا۔

لعنت اور بدکلامی نہ کرنا۔

زبان کا سچا، وعدے کا پکا اور امانت دار ہونا۔

بات کم اور عمل زیادہ کرنا۔

صبر اور شکر کرنا۔

فضول خرچی سے بچنا۔

بخیل اور حاسد نہ ہونا۔

دھوکہ نہ دینا۔

عفو و درگزر اور شفقت کا رویہ رکھنا۔

رفیق اور حلیم ہونا۔

ہشاش اور بشاش ہونا۔

احسان کی روش کو اپنانا۔

کسی کو ایذا نہ دینا۔

حیادار ہونا۔

عدل وانصاف کرنا۔

نیکی کا حکم دینا، برائیوں سے روکنا۔

یہ وہ خوبیاں ہیں جن کے بغیر ایک مسلمان، دنیا وآخرت میں کامیاب نہیں ہوسکتا، اوران اقدار کے بغیر نہ ہی اسلامی معاشرہ کا قیام ممکن ہے۔

آج ہمیں دنیا کی خوش حالی، عزت اور سرفرازی کی تمنا ہے تو اس کیلئے اسلامی اخلاقیات کو قائم کرنا ضروری ہے اوراس میں اخروی کامیابی کا راز پنہاں ہے۔

یہی سبب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت سے دعاؤں میں ایک عظیم اور نافع دعائیہ بھی ہوا کرتی ''اے میرے اللہ! میرے اخلاق کو اچھا فرمادے جیسا کہ میری تخلیق بہت اچھی فرمائی ہے''۔

غیروں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرے

یہ بائیس اخلاق پیش کئے گئے۔ ہر ایک مسلمان کے اندر یہ اخلاق ہونے چاہئے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔ حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ کبھی کسی کو تکلیف نہ پہونچائے اور ہر ایک کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے خواہ اپنا ہو یا غیر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

تو دشمنوں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ایک دفعہ ایک یہودی آرہا تھا آپ علیہ السلام نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ یہ ایسا ویسا ہے یعنی اس کے کچھ عیوب بیان فرمائے، لیکن جب قریب آیا تو بڑے تپاک سے ملے اور اچھے اخلاق سے پیش آئے تو آپ اسکے تعلق سے اس طرح فرمارہے تھے اور جب قریب آیا تو اچھے اخلاق سے پیش آئے اس کی کیا وجہ؟ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا عائشہ بڑا برا ہے وہ آدمی جسکے اخلاق کی وجہ سے لوگ دور بھاگیں۔ان احادیث کی روشنی میں ہمارے سامنے یہ بات کھل کر آتی ہے کہ حسن خلق کو اپنائیں ترش روئی اچھی عادت نہیں۔اخلاق کی وجہ سے لوگ بہت متاثر ہوتے ہیں اگر اچھے اخلاق پیدا کریں گے تو ہم سے لوگ قریب ہوں گے اور برے اخلاق ہوں گے تو لوگ کنارہ کش ہوجائیں گے کسی شاعر نے بڑی اچھی بات کہی ہے ؎

ظالم سے لیا ظلم کا بدلہ نہ کبھی بھی
مارا بھی تو اخلاق کی تلوار سے مارا

علم مدرسہ میں اور اخلاق خانقاہ میں سنورتے ہیں

ہمیں تکمیل علم کے لئے مدرسوں کی اور تکمیل اخلاق وتزکیہ کے لئے خانقاہوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ہم دونوں کے محتاج ہیں، دونوں سے مستغنی نہیں ہوسکتے۔ہمارا کمال موقوف ہے۔درحقیقت محنت پر انبیاء علیہم السلام اپنا تعارف کراتے ہیں، ان ہی بنیادوں پر یعنی (۱) تکمیل علم (۲) تکمیل اخلاق (جس کو تزکیہ نفس کہا جاتا ہے)۔

اخلاق سے قومیں بنتی اور بگڑتی ہیں

اخلاق کسی بھی قوم کی زندگی کیلیئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتی ہو۔ اخلاق دنیا کے تمام مذاہب کا مشترکہ باب ہے جس پر کسی کا اختلاف نہیں۔ انسان کو جانوروں سے ممتاز کرنے والی اصل شئے اخلاق ہے۔ اچھے اور عمدہ اوصاف وہ کردار ہیں جس کی قوت اور درستی پر قوموں کے وجود، استحکام اور بقا کا انحصار ہوتا ہے۔ معاشرہ کے بناؤ اور بگاڑ سے قوم براہ راست متاثر ہوتی ہے۔ معاشرہ اصلاح پذیر ہو تو اس سے ایک قوی، صحت منداور باصلاحیت قوم وجود میں آتی ہے اور اگر معاشرہ بگاڑ کا شکار ہو تو اس کا فساد قوم کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے۔ جس معاشرہ میں اخلاق ناپید ہو وہ کبھی مہذب نہیں بن سکتا، اس میں کبھی اجتماعی رواداری، مساوات، اخوت و باہمی بھائی چارہ پروان نہیں چڑھ سکتا۔ جس معاشرے میں جھوٹ اور بددیانتی عام ہو جائے وہاں کبھی امن وسکون نہیں ہو سکتا۔ جس ماحول یا معاشرہ میں اخلاقیات کوئی قیمت نہ رکھتی ہوں اور جہاں شرم وحیاء کی بجائے اخلاق باختگی اور حیا سوزی کو منتہائے مقصود سمجھا جاتا ہو اُس قوم اور معاشرہ کا صفحہ ہستی سے مٹ جانا یقینی ہوتا ہے خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ دنیا میں عروج وترقی حاصل کرنے والی قوم ہمیشہ اچھے اخلاق کی مالک ہوتی ہے جبکہ برے اخلاق کی حامل قوم زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ یہ منظر آپ اِس وقت دنیا میں اپنے شرق وغرب میں نظر دوڑا کر دیکھ سکتے ہیں کہ عروج وترقی کہاں ہے اور ذلت ورسوائی کہاں ہے؟

اخلاقیات ہی انسان کو جانوروں سے الگ کرتی ہیں۔اگر اخلاق نہیں تو انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں۔ اخلاق کے بغیر انسانوں کی جماعت انسان نہیں بلکہ حیوانوں کا ریوڑ کہلائیگی۔انسان کی عقلی قوت جب تک اسکے اخلاقی رویہ کے ماتحت کام کرتی ہے، تمام معاملات ٹھیک چلتے ہیں اور جب اس کے سفلی جذبے اس پر غلبہ پالیں تو یہ نہ صرف اخلاقی وجود سے ملنے والی روحانی توانائی سے اسے محروم کردیتے ہیں، بلکہ اس کی عقلی استعداد کو بھی آخر کار کند کر دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں معاشرہ درندگی کا روپ دھار لیتا ہے اور معاشرہ انسانوں کا نہیں انسان نما درندوں کا منظر پیش کرنے لگتا ہے۔ یہ سب اخلاقی بے حسی کا نتیجہ ہے۔انسان کی اخلاقی حس اسے اپنے حقوق اور فرائض سے آگاہ کرتی ہے۔

اجتماعی زندگی کا اصل حسن احسان، ایثار، حسن معاملات، اخوت، رواداری اور قربانی سے جنم لیتا ہے۔ جب تک اخلاقی حس لوگوں میں باقی رہتی ہے وہ اپنے فرائض کو ذمہ داری اور خوش دلی سے ادا کرتے ہیں اور جب یہ حس مردہ اور وحشی ہو جاتی ہے تو پورے معاشرے کو مردہ اور وحشی کر دیتی ہے تو وہ لوگوں کے حقوق کو خونی درندے کی طرح کھانے لگتا ہے تو ایسے معاشرے میں ظلم وفساد عام ہو جاتا ہے۔انسان میں حیوانی حس کا وجود صرف لینا جانتا ہے دینا نہیں۔ چاہے اس کا لینا دوسروں کی موت کی قیمت پر ہی کیوں نہ ہو۔اور بدقسمتی سے یہی صورت حال آج ہمارے معاشرہ میں جنم لے چکی ہے۔

اسلام میں ایمان اور اخلاق 2 الگ الگ چیزیں نہیں ہیں۔ایک مسلمان کی پہچان ہی اخلاق سے ہے۔ اگر اخلاق نہیں تو مسلمان نہیں۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک مسلمان

ایمان کا تو دعویٰ کرے مگر اخلاقیات سے عاری ہو۔ ہمارے پیارے نبی کریم کائنات میں اخلاقیات کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہیں جس پر اللہ کریم جل شانہ کی کتابِ لاریب مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم)

''بے شک تم بڑے عظیم اخلاق کے مالک ہو۔''

اور ایسا کیوں نہ ہو آپ مکارم اخلاق کے اعلیٰ معارج کی تعلیم و تربیت اور درستگی کے لیے مبعوث فرمائے گئے۔ جیسا کہ خود آپ مالکِ خلق عظیم فرماتے ہیں۔

''میں اعلیٰ اخلاقی شرافتوں کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔'' (حاکم، مستدرک)

یعنی میں اعلیٰ اخلاق کی تمام قدروں کو عملی صورت میں اپنا کر، اپنے اوپر نافذ کر کے تمہارے سامنے رکھنے اور ان کو اسوہ حسنہ بنا کر پیش کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

ہمارے آقا و مولا کی پوری زندگی پیکرِ اخلاق تھی کیونکہ آپ نے قرآنی اخلاقی تعلیمات سے اپنے آپ کو مزین کر لیا تھا۔ آپ کا اخلاق قرآن کے احکام و ارشادات کا آئینہ تھا، قرآن کا کوئی خلق ایسا نہیں ہے جس کو آپ نے اپنی عملی زندگی میں نہ سمو لیا ہو۔ اسی لیے قرآن کریم میں اللہ عزوجل نے ہمیں نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب 21)

''بے شک تمہارے لیے اخلاق کے اعلیٰ معارج کی تکمیل کرنے کیلئے رسول اللہ کی پیروی کرنے میں بہترین نمونہ ہے۔''

ایمان و عبادت کی درستگی کی عملی نشانی صحت اخلاق ہے بلکہ عبادات و تعلیمات

اسلامی کا لب لباب اخلاق کو سنوارنا اور نکھارنا ہے جس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے۔

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا۔

''مسلمانوں میں کامل ترین ایمان اس شخص کا ہے جس کا اخلاق سب سے بہترین ہو۔''

ایک اور حدیث مبارکہ ہے۔

''تم میں بہتر وہ ہے جو تم میں اخلاق کے اعتبار سے بہتر ہے۔''

اخلاق کیا ہیں؟ نبی کریم نے اخلاق کی تربیت دیتے ہوئے فرمایا۔

''اخلاق یہ ہیں کہ کوئی تمہیں گالی دے تو تم جواب میں اس کو دعا دو، یعنی گالی کا جواب گالی سے نہ دو بلکہ دعا اور اچھے الفاظ سے دو۔ جو تمہیں برا کہے تم اس کو اچھا کہو، جو تمہاری بدخوئی کرے تم اس کی تعریف اور اچھائی بیان کرو، جو تم پر زیادتی کرے تم اسے معاف کر دو۔''

یہ ہمارے لیے اخلاق کی تربیت کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے اگر ہمارا معاشرہ اس پر عمل کرے تو معاشرہ سے تمام اخلاقی خرابیاں خود بخود ختم ہو سکتی ہیں اور معاشرہ امن، اخوت، بھائی چارہ کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ اگر کوئی تمہیں گالی دیتا ہے تو تم اس کے جواب میں اسے دعا دو تو ایک دن اسے خود بخود شرم آئے گی کہ میں تو اسے گالی دیتا ہوں اور وہ مجھے جواب میں دعا دیتا ہے تو مجھے شرم آنی چاہئے کیوں نہ میں بھی اسے دعا دوں اور اس کی تعریف کروں کہ وہ ایک اچھا انسان ہے جو میری گالی کے جواب میں دعا دیتا ہے، گالی کا جواب گالی سے نہیں دیتا۔ اگر کوئی تمہیں برا کہتا ہے اور تم اسے اچھا کہتے ہو تو

ایک دن وہ تمہیں اچھا کہنے لگ جائے گا۔اگر کوئی تم سے زیادتی کرتا ہے اور تم اسے معاف کر دیتے ہو تو اس کے دل میں تمہاری قدر اور خلوص بڑھے گا۔اگر کوئی تمہارے حقوق تلف کرتا ہے تو تم اس کے حقوق کے محافظ بن جاؤ تو یقیناایک دن ضرور اسے بھی شرم آئے ہی جائے گی اور اس طرح معاشرہ خود بخود سدھرتا چلا جائے گا۔

بدقسمتی سے آج کے ہمارے اس خزاں رسیدہ معاشرہ میں اخلاقیات،تہذیب و تمدن اور تربیت و تادیب کے آثار ہی نہیں پائے جاتے جس کی وجہ نبی کریم کے اخلاق حسنہ سے دوری ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہم قوموں میں رسواء اور زوال پذیر ہو رہے ہیں اور بگاڑ کا گھن ہمیں دیمک کی طرح کھا رہا ہے۔وہ دین جس کی حقیقی پہچان اخلاقیات کا عظیم باب تھا اور جس کی تکمیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کیے گئے تھے وہ دین جس نے معاملات کو اصل دین قرار دیا تھا،آج اسی دین کے ماننے والے اخلاقیات اور معاملات میں اس پستی تک گر چکے ہیں کہ عدالتوں میں مقدمات کی بھر مار ہے،جیل خانہ جات میں جگہ تنگ پڑ رہی ہے،گلی گلی،محلہ محلہ،جگہ جگہ لڑائی جھگڑا، گالی گلوچ،ظلم و زیادتی،فساد،کینہ،حسد،حق تلفی اور مفاد پرستی عام ہے۔منشیات کے بازار،ہوس کے اڈے،شراب خانے،جوا،چوری،ڈاکہ زنی،قتل و غارت گری،زنا کاری،رشوت خوری،سود و حرام خوری،دھوکہ دہی،بددیانتی،جھوٹ،خوشامد،دوغلے پن،حرص،طمع،لالچ،ملاوٹ،ناپ تول میں کمی آخر وہ کون سا اخلاقی مرض اور بیماری ہے جو ہم میں نہیں۔خودغرضی اور بدعنوانی و کرپشن کا ایسا کونسا طریقہ ہے جو ہم نے ایجاد نہیں کیا؟ دھوکہ دہی اور مفاد پرستی کی ایسی کونسی قسم ہے جو ہمارے یہاں زوروں

پر نہیں؟ تشدد، تعصب، عصبیت اور انسان دشمنی کے ایسے کونسے مظاہر ہیں جو ہمارے اسلامی معاشرہ میں دیکھنے کو نہیں ملتے؟ مگر پھر بھی ہم مسلمان کہلوانے میں ذرا شرم محسوس نہیں کرتے۔

ایسے غلیظ اخلاق واطوار والی قوم کا مسلمان کہلوانا تو دور کی بات، ہمارے اسلاف کہتے ہیں کہ ایسے میں اسلام، اللہ ورسول کا نام پاک بھی اپنی ناپاک زبانوں سے لینے کی جسارت نہ کرو اس لیے کہ تم ان کی بدنامی کا باعث بنتے ہو۔

گر نہ داری از محمد رنگ و بو

از زبان خود میالا نام او

یعنی اگر تمہاری سیرت وکردار، اخلاق واطوار اپنے نبی کریم کے رنگ و بو سے بہرہ ور نہیں، یا تم سے آپ کے اخلاق حسنہ کی بو نہیں آتی تو تمہیں قطعاً یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنی ناپاک زبان سے آپ کا نام پاک لینے کی جسارت کرو مسلمان کہلوانا تو بہت دور کی بات۔

کیونکہ ایسے گھٹیا اوصاف والی قوم کا مسلمان کہلوانا عظیم اخلاق والے دین حق اسلام کو بدنام کرنے والی بات ہے۔ آج دنیا میں اسلام بدنام ہے اور اس کا حقیقی چہرہ مسخ ہو چکا ہے، یہ کسی اور نے نہیں خود ہم نے کیا ہے۔ آج دنیا اس پر طنز وتنقید اور بھبتیاں کسنے لگی ہے، آج دنیا کے ہر کونے سے انگلی ہمارے عظمت والے دین پر اٹھتی ہے اس پر نکتہ چینیاں کی جاتیں، اس پر ہنسی، تضحیک اور اس کے خاکے تراشے جاتے ہیں اور باطل اسے دنیا سے ناپید کرنے کی کشمکش میں ہے۔ آج دنیا اسے بدخلقی، ناانصافی، ظلم وزیادتی کا دین تصور کرتی ہے صرف ہمارے اوصاف کی وجہ سے۔ صحیح و

اکمل دین کی دنیا میں ذلت و رسوائی کا سبب ہم ہیں، ہمارے سیاہ اوصاف ہیں، ہمارے غلیظ اخلاق ہیں، ہمارے گندے اطوار ہیں کیونکہ ہم خود اس کا حقیقی چہرہ مسخ کر کے اور اس کا حلیہ بگاڑ کر دنیا کو دکھا رہے ہیں جس کے سبب دنیا اسلام پر طنز اور نکتہ چینیاں کرتی ہے۔ مجھے یہاں ایک ہندو شاعر کی اسلام پر طنز و تنقید یاد آ رہی ہے جو چند دن پہلے میری نظر سے گذری۔ ہندو شاعر لکھتا ہے:

جام پے جام پیا اور مسلمان رہے
جس نے پالا پیمبرؐ کو وہ رہا کافر
یہی دین ہے تو اس دین سے توبہ ما تھور
شک پیمبرؐ پہ کیا اور مسلمان رہے

یہ اس شاعر نے ہمارے اخلاقی رویہ ہی کی عکاسی ہے ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو غلاظت کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں، گمراہی وضلالت کی تمام حدیں پار کر چکے ہیں مگر ہم ان کو مسلمان کہتے ہیں۔ ہم میں ایسا طبقہ بھی موجود ہے جو حضور سید عالم کے محسنین، آپ کی پرورش کرنے والے آپ کے شفیق دادا اور چچا عبد المطلب اور ابو طالب کو تو کافر گردانتے ہیں کہ انہوں نے آپ کا کلمہ نہیں پڑھا اور یزیدیوں کو مسلمان کہتے ہیں جنہوں نے آپ کی آل پاک پر ظلم وستم کی انتہا کر دی۔ ہم میں پیغمبر پر نکتہ چینیاں کرنے والے اور عیبوں کا سراغ لگانے والے گروہ بھی موجود ہیں مگر ہم ان کو بھی مسلمان کہتے ہیں۔

حکیم الامت، ترجمان حقیقت حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اس کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بد اخلاق امت دنیا میں پیغمبر کی رسوائی کو سبب بنی ہوئی ہے۔

ہاتھ بے زور ہیں، الحاد سے دل خوگر ہیں

امتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اخلاقی بگاڑ آج ہماری زندگی کے ہر شعبے میں داخل ہو چکا ہے۔ معاملہ عبادات کا ہو یا معاملات کا، حقوق وفرائض ہوں یا تعلیم و تربیت، امانت، دیانت، صدق، عدل، ایفاے عہد، فرض شناسی اور ان جیسی دیگر اعلیٰ اقدار کا ہم میں فقدان ہے۔

کرپشن اور بدعنوانی ناسور کی طرح معاشرے میں پھیلی ہوئی ہے۔ظلم و ناانصافی کا دور دورہ ہے۔لوگ قومی درد اور اجتماعی خیر وشر کی فکر سے خالی اور اپنی ذات اور مفادات کے اسیر ہو چکے ہیں۔ یہ اور ان جیسے دیگر منفی رویے ہمارے قومی اجتماعی مزاج میں داخل ہو چکے ہیں۔ یہ وہ صورت حال ہے جس پر ہر شخص کف افسوس ملتا ہوا نظر آتا ہے۔اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ اخلاقی بگاڑ اور رواداری ومعاملات کی بیخ کنی جو کسی بھی اسلامی معاشرہ میں دیکھنے کو ملتی ہے وہ شائد ہی دنیا کے کسی دوسرے معاشرہ میں پائی جاتی ہو۔

انسانی اخلاق

ہماری آج کی پہلے دن کی گفتگو کا عنوان ہے: سیرت نبویؐ اور مکارمِ اخلاق۔ ''خُلُق'' انسانی عادت کو کہتے ہیں ''اَخلاق'' عادات کو کہتے ہیں۔ انسان جب اپنی زندگی کا آغاز کرتا ہے تو والدین کی تربیت، اردگرد کے ماحول اور حالات وواقعات کے ذریعے اس کا

مختلف عادات پر مشتمل ایک مزاج بن جاتا ہے۔ اخلاق اچھے بھی ہوتے ہیں اور اخلاق برے بھی ہوتے ہیں، اخلاق فاضلہ اور اخلاق رذیلہ دونوں کا ذکر آتا ہے۔ اچھی عادت ہے سچ بولنا بری عادت ہے جھوٹ بولنا، اچھی عادت ہے انصاف کرنا بری عادت ہے ظلم کرنا، اچھی عادت ہے وعدہ پورا کرنا بری عادت ہے وعدہ توڑنا۔ یہ میں نے مثال کے طور پر عرض کیا ہے کہ عادات اچھی بھی ہوتی ہیں اور عادات بری بھی ہوتی ہیں، اچھی عادات کو بھی اخلاق کہتے ہیں اور بری عادات کو۔

ایک انسان کی عادات صرف اسی پر اثر انداز نہیں ہوتیں بلکہ پوری سوسائٹی پر اثر انداز ہوتی ہیں اِس لیے کہ کوئی بھی انسان دنیا میں اکیلا زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ ایک انسان اگر دنیا میں باقی انسانوں سے کٹ کر تنہا رہنا چاہے تو یہ بات ممکن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگیوں کے لیے اجتماعی معاشرہ بنایا ہے اور مل جل کر رہنے والی اور ایک دوسرے کے کام آنے والی سوسائٹی بنائی ہے۔ سب انسان مل کر اجتماعی اعمال سے گزرتے ہیں تو ایک معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ مثال کے طور پر میرے ہاتھ میں یہ ایک کاغذ ہے جس پر کچھ لکھا ہے یہ مجھ اکیلے کا کام نہیں ہے۔ اس کاغذ کے بننے میں خدا جانے کتنے لوگوں کا عمل دخل ہے، جس قلم سے لکھا گیا ہے اس کے بننے میں خدا جانے کتنے لوگوں کا عمل شامل ہے، قلم میں جو سیاہی ہے خدا جانے اس کے بننے میں کن کن لوگوں کی مہارت کارفرما ہے، اور پھر میری اس کاغذ پر لکھنے کی جو صلاحیت ہے خدا جانے اس کے پیچھے کن کن لوگوں کی محنت شامل ہے۔ تو اس کاغذ پر جو تحریر ہے یہ اتنے سارے لوگوں کی محنت اور عمل کے بعد وجود میں آئی ہے۔ کوئی بھی عمل دنیا میں ایسا نہیں

ہے جو ایک انسان تنہا کر سکے، چنانچہ انسانوں کے اجتماعی اعمال سے ایک معاشرہ وجود میں آتا ہے، اگر انسانوں کے مجموعی اعمال اچھے ہوں تو ایک اچھی سوسائٹی بنتی ہے لیکن اگر انسانوں کے مجموعی اعمال برے ہوں تو ایک بری سوسائٹی بنتی ہے۔

یوں سمجھ لیں کہ انسانی معاشرہ ایک مشین ہے جس کے پرزے اِنسان ہیں۔ مشین کے اچھے یا برے ہونے کا دارومدار پُرزوں کے معیار پر ہے، پُرزے اچھے معیار کے ہوں گے اور جس انجینئر نے وہ مشین ڈیزائن کی ہے اس کی ہدایات کے مطابق ہوں گے تو ان پُرزوں سے مشین بھی اچھی بنے گی، لیکن اگر مشین کے اکثر یا بنیادی پُرزے خراب ہوں گے تو وہ مشین بیکار ہوگی۔ اسی طرح معاشرے کے اکثر لوگوں کی اور راہنما لوگوں کی اخلاق وعادات اچھی ہوں گی تو اس سے ایک اچھا معاشرہ بنے گا لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہوگا تو ظاہر بات ہے کہ معاشرہ بھی بُرا ہی سامنے آئے گا۔ حضرات انبیاءؑ کی تعلیمات کی بنیاد اسی بات پر ہے کہ انسان اس مشینری کا ایک صحیح اور کارآمد پرزہ بنے اور انسان کا ایمان، یقین اور اس کی عادات اچھی ہوں۔ اگر انسان کا خدا کی ذات پر یقین پختہ ہوگا تو اس کے اخلاق و اعمال اچھے ہوں گے اور یوں وہ معاشرے کا ایک مفید فرد بنے گا۔

اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند عملی مظاہرے

اخلاق کا لفظ ذہن میں آتے ہی ایک ایسا خاکہ ابھر کر سامنے آجاتا ہے کہ جس کو ہر آدمی اپنانے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اخلاق انسان کا ایک ایسا جزء ہے جس کے اندر یہ صفت وخصلت پائی جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ آدمی فطرت سلیم کا مالک ہے اخلاق

ایک دوا ہے جو کہ دل و دماغ دونوں کو غذا پہنچاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم و عبادت کی زینت اخلاق کو قرار دیا ہے قیامت کے دن مومن کے میزان میں عمل کے لحاظ سے جو چیز وزنی اور بھاری ہوگی وہ حسن اخلاق ہے۔ سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ (سنن ابی داؤد:4799)

کوئی بھی چیز میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی نہیں۔

سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ، وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ (صحیح مسلم 2553)

''اچھا اخلاق ہی نیکی ہے اور برائی یہ ہے جو جو کرنے کے بعد (برائی) تیرے دل میں کھٹکے اور تو نہ پسند کرے کہ لوگوں کو تیری کی ہوئی برائی کا علم ہو جائے۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا (صحیح البخاری 3559)

''تم میں سے سب سے بہتر وہ شخص ہے (اخلاق کے اعتبار سے) جس کا اخلاق اچھا ہو۔''

اخلاق کی تعریف

خلق کے لغوی معنی عادت وخصلت کے ہیں اور حسن اخلاق سے مراد خوش اخلاقی، مروت، اچھا برتاؤ، بہتر رویہ سب سے اچھے اخلاق ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق

باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی رسالت و محبوبیت اور حسنِ اخلاق سے نوازا تھا اور آپ ﷺ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیئے تھے آپ ﷺ عبادت میں سب سے زیادہ کوشاں اور اسکے سب سے زیادہ شائق و مشتاق تھے چنانچہ صحابی رسول ﷺ مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نماز میں قیام کی حالت میں اتنی دیر تک کھڑے رہے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک پر ورم آ گیا عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ آپ کے تو اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے گئے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں اپنے رب کا فرمانبردار بندہ نہ بنوں؟ (بخاری)

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوئے ایک ہی آیت میں صبح کر دی وہ آیتِ مبارکہ یہ تھی۔

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ‌ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ (المائدۃ:118)

''اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو معاف فرما دے تو تو زبردست ہے حکمت والا ہے۔''

اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آپ ﷺ کو حالتِ نماز (قیام اللیل) میں دیکھنا چاہتا تو دیکھ سکتا اور اگر کوئی نیند میں دیکھنا چاہتا تب بھی دیکھ سکتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دنیا کے مال ومتاع کی اہمیت اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے رغبتی

جہاں تک درہم ودینار اور دنیا کے مال ومتاع کا تعلق ہے الفاظ کا بڑے سے بڑا ذخیرہ اوا اعلیٰ درجہ کی قادر کلامی بھی آپ ﷺ کی نگاہ میں اس کی حیثیت کو مکمل طور پر واضح نہیں کر سکتی اسی لئے کہ آپ ﷺ کے ایمانی اور ربّانی مدرسہ کے بوریہ نشین اور عرب وعجم میں ان کے شاگردوں کے شاگرد اور خوشہ چیں بھی درہم ودینار خزف ریزوں کو ٹھیکروں سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے انکی زاہدانہ زندگی متاع الدنیا کی بے وقعتی دوسروں پر اپنا مال خرچ کرنا اور اس کا شوق اور دوسروں کو اپنے اوپر ہر معاملے میں ترجیح دینے کا شوق و ذوق قدر کفاف پر قناعت، اور شاہ بے نیازی و استغناء کے جو واقعات تاریخی طور پر ثابت ہیں ان سے عقلِ انسان حیران و عاجز آجاتی ہے اسی سلسلے کی کڑی میں چند روایات کا ذکر کرتا ہوں جو صحابہ کی زبان مبارک سے ہم تک پہنچیں آپ ﷺ کا ماثور شہرت کا حامل شعر جس پر آپ ﷺ حرف بہ حرف عامل تھے اور جو آپ ﷺ کی پوری حیات کا اہم ہی نہیں بلکہ مرکزی نقطہ نظر اور محور تھا وہ یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْآخِرَۃ۔

اے اللہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، مزید آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے بارے میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو ایک چٹائی پر اس حالت میں دیکھا کہ آپ ﷺ کے پہلو میں اس چٹائی کے نشانات

پڑ گئے یہ منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا '' یا رسول اللہ ﷺ آپ ساری دنیا میں سب سے زیادہ بڑھ کر برگزیدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مقرّب ترین بندوں میں ہیں اور کسریٰ اور قیصر عیش کر رہے ہیں یہ سن کر نبی ﷺ کا چہرہ انور سرخ ہو گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا اے ابنِ خطاب ! کیا تمہیں کچھ شک ہے؟ پھر آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دنیا میں ہی سارے مزے مراتب مہیا کر دیے گئے ہیں۔

امّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم اہلِ بیت محمد ﷺ کو ایک چاند گزر کر دوسرا چاند نظر آ جاتا اور ہمارے گھر میں چولھا نہیں جلتا تھا صرف کھجور اور پانی پر ہی گزر بسر ہوتا تھا۔ (متفق علیہ)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اکرم ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ ﷺ نے اس کے جواب میں نہیں کیا ہو۔

خلقِ خدا کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق

لیکن اس ذوقِ عبادت ، دنیا اور سامانِ دنیا سے بے تعلقی ، کمال زہد ، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ، اس کے سامنے آہ وزاری اور دعا ومناجات سے آپ ﷺ کی خندہ پیشانی حسنِ اخلاق شفقت و ملاطفت دلداری و دلنوازی اور ہر شخص کو اس کا حق جائز دینے اور اس کے مرتبہ وحیثیت کے مطابق سلوک کرنے میں کوئی فرق نہ آنے دیتے

اور دونوں باتیں ایسی ہیں کہ ان کو اسی طرح کسی شخص کے اندر ایک وقت میں جمع کرنا محال ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا وَلَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا۔

جو میں جانتا ہوں اگر وہ تم جان لو تو تم لوگ بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔(صحیحین)

سیدنا شرید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے امیّہ بن الصلت کے اشعار سننے کی فرمائش کی چنانچہ میں نے انکو اس کے اشعار سنائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے نواسے حسن بن علی کو بلایا اور وہ دوڑتے ہوئے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود مبارک میں گر پڑے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارکہ میں اپنی انگلیوں کو ڈالنے لگے اور اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دہن مبارک کھولدیا اور وہ اپنا منہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہنِ مبارک میں ڈالنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں پر بہت مشفق ومہربان تھے اوران سے بہت ہی محبت کا معاملہ فرماتے چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر کچھ بچوں پر ہوا جو کھیل کود کر رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو سلام کیا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو جو وعظ ونصیحت فرماتے تھے وہ وقفوں کے ساتھ ہوتی تھی اس خیال سے کہیں کہ کہیں ہمارے اندر اکتاہٹ، سستی اور کاہلی نہ آجائے نماز سے اس تعلق اور شگفتگی کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کسی بچے کا رونا سن لے تو نماز مختصر فرمادیتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ میں

نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ طویل نماز پڑھوں گا مگر کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اس خیال سے نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ کسی ماں کو دشواری اور تکلیف نہ ہو۔ (صحیح البخاری کتاب الصلاۃ)

دو کاموں میں آسان کو اختیار کرنا چاہئے

اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس اعلی درجہ کے اخلاق اور اعلی وعظیم درجہ کی طبعی و خلقی کمالات سے نوازا تھا وہ آنے والی نسلوں کے لیے معراج کمال ہے اسکو ہم اعتدال فطرت، سلامت ذوق شعور اور توازن و جامعیت اور افراط و تفریط سے تعبیر کر سکتے ہیں چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب دو کاموں میں سے کسی ایک کام کو ترجیح دینی ہوتی تو ہمیشہ اس کو اختیار فرماتے جو آسان ہوتا بشرطیکہ اس کام میں گناہ کا شبہ نہ ہو اگر اس کام میں گناہ کا شبہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے دور و بعید ہو جاتے۔ (صحیح مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکلفات، ضرورت سے زیادہ زہد اور نفس کے جائز حقوق سے روگردانی سے بہت دور تھے چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دین آسان ہے اور جو بھی دین سے زور آزمائی کرے گا دین اس پر غالب آجائے گا اس لیے میانہ روی اور اعتدال کے ساتھ رہو اور چلو، قریب کے پہلو کے ساتھ رعایت کرو اور صبح و شام کسی قدر تاریکی شب کی عبرت سے تقویت حاصل کرو۔ (بخاری کتاب الایمان)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اتنا ہی کرو جتنا کرنے میں تمہارے پاس طاقت اور قوت

ہے اس لیے کہ اللہ کی قسم اللہ تعالی تو نہیں تھکے گا بلکہ تم ہی تھک جاؤ گے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اللہ تعالی کو کون سا دین سب سے زیادہ محبوب ہے آپ م صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سہولت و آسان اور خلوص والا دین ابرہیمی۔ (الادب المفرد 18)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق اپنے اہل وعیال کے ساتھ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں عام انسانوں کی طرح ہی رہتے تھے اور جیسا کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کپڑوں کو خود صاف فرمالیتے تھے اور بکریوں کا دودھ بھی دوہ لیا کرتے تھے اور اپنا کام خود سرانجام دیتے آگے فرماتی ہیں کہ اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے تھے جوتا گانٹھ لیتے تھے اور اسی طرح کے اور کام بھی کر لیتے تھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں کس طرح رہتے تھے تو انہوں نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے کام کاج میں لگے رہتے تھے جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لیے چلے جاتے۔ (بخاری کتاب الصلاۃ)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا اگر خواہش ہوتی تو تناول فرمالیتے اگر پسند نہ ہوتا تو چھوڑ دیتے۔ (متفق علیہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور انکساری

جہاں تک تعلق تواضع وخشیت الہی کا ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر انتہاء درجے کی

تھی اور آپ کسی چیز میں نمایاں ہونا نہیں چاہتے تھے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس چیز کو اچھا جانتے تھے کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اپنی جگہ سے اٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وتعریف بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لے جیسا کہ پہلی امتوں نے سابقہ انبیاء کے ساتھ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عبدیت اور رسالت کے درجے سے بلند کرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ ''یا خیر البریۃ'' (اے مخلوق میں سب سے بہتر وافضل) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ذاک ابراہیم علیہ السلام'' یہ مقام ومرتبہ ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ (مسلم کتاب الفضائل)

سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا : میری اس طرح بڑھ کر تعریف وتوصیف نہ کرو جس طرح نصاری نے سیدنا عیسی ابن مریم کی کے ساتھ کیا، میں تو صرف ایک بندہ ہوں تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔ (بخاری)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ کی لونڈیوں اور باندیوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیتی اور جو کچھ کہنا ہوتا، کہہ دیتی اور جتنی دور چاہتی لے جاتی۔ جو کہ اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم مثال ہے۔ (مسند احمد 198)

مشکلوں اور مصیبتوں میں آگے آگے

مشکلوں اور مصیبتوں میں آگے آگے جبکہ انعام واکرام میں پیچھے پیچھے اپنے اہل و عیال، اہل بیت کے ساتھ مستقل معاملہ اور اصول یہ تھا کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس قدر

قریب ہوتا آپ خطرات اور آزمائشوں میں اس قدر آگے اور انعام اکرام میں اور مال غنیمت کی تقسیم کے وقت انکو پیچھے رکھتے جس کی مثال ہمیں بدر کے مقام پر ملتی ہے جب عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور خالد بن ولید نے بدر میں قریش کو للکارا اور اور مبارز طلبی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمزہ، علی اور عبیدہ رضی اللہ عنہم کو چنا اور انکو آواز دی اور مقابلہ بازی کے لیے بھیجا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے شہسواروں کی حیثیت اور اہمیت سے خوب واقف تھے مہاجرین میں متعدد ایسے بہادر اور جری شہسوار موجود تھے جو ان سے دو دو ہاتھ کر سکتے تھے مگر ابن ہاشم کے تینوں افراد وہ (حمزہ، علی اور عبیدہ رضی اللہ عنہم) جو خونی رشتہ میں سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقریب تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عزیز و محبوب بھی تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو اس خطرہ سے بچانے کے لیے دوسرے حضرات (صحابہ) کو خطرات میں نہیں ڈالا اور انہیں مقابلہ بازی کے لیے بھیجا اور اللہ تعالی نے ان تینوں کو دشمن پر غالب کر دیا اور فتح عطا فرمائی اور سیدنا علی، سیدنا حمزہ صحیح سالم لوٹے جبکہ سیدہ عبیدہ رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں واپس لایا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب سود کو حرام اور جاہلیت کے خون کو کالعدم قرار دیا تو اس کی ابتداء اپنے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور اپنے بھتیجے ربیعہ بن الحارث کے فرزند سے فرمائی چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زمانہ جاہلیت کا سود آج سے ختم اور کالعدم ہے اور پہلا سود جو میں ختم کرتا ہوں وہ ہمارے ہاں عباس کا ہے اور زمانہ جاہلیت کا خون بھی کالعدم ہے اور وہ ہمارے ہی یہاں کا ربیعہ بن حارثہ کے فرزند کا خون ہے۔ (مسلم کتاب الحج بروایت جابر رضی اللہ عنہ)

اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مشہور واقعہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ باندیاں آئی تو سیدہ فاطمہ کا درخواست کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواباً انکو اللہ کی تسبیح وتحمید وتکبیر کا مشورہ دینا اس بات کی ایک عظیم مثال ہے کہ انعام واکرام میں سب سے پیچھے پیچھے ہونا اور اپنے اہل عیال کو پیچھے پیچھے رکھنا۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق میں قرآن کا مجسم نمونہ تھے۔''

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا اور آپ اس وقت نجران کی چادر زیب تن کیے ہوئے تھے جس کے کنارے موٹے تھے راستے میں ایک اعرابی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر مبارک پکڑ کر زور سے کھینچنے لگا جس کی وجہ سے نشان پڑ گئے پھر اس اعرابی نے کہا ۔یا محمد! اللہ کا جو مال آپ کے اصحاب کے پاس ہے وہ مجھے دینے کا حکم دیجیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا اور ہنسنے لگے پھر یہ ہدایت کی کہ اس کو مال دے دیا جائے۔(صحیح البخاری کتاب الجہاد)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ایک بار مکہ سے 80 مسلح آدمی ''جبل تنعیم'' سے اچانک وارد ہوئے اور دھوکے میں رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گزند پہنچانہ چاہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کو قیدی بنالیا اور ان کو زندہ رہنے دیا۔(مسلم کتاب الجہاد والسیر)

سیدنا معاویہ بن الحکم رضی اللہ عنہ راوی حدیث ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک شخص کو چھینک آئی میں نے کہا ''یرحمک اللہ'' لوگ

سن کر مجھے گھورنے لگے میں نے کہا تمہاری ماں تم پر روئے آخر کیا ہوا ہے کہ تم مجھے ایسی تیز نگاہوں سے گھور رہے ہو یہ سن کر لوگ اپنی رانوں پر ہاتھ مارنے لگے جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہو گیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے، تو میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان، میں نے نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے آپکی طرح کوئی مربی اور معلم دیکھا اور نہ آپ کے بعد! اللہ کی قسم نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا اور نہ برا بھلا کہا بس یہ فرمایا کہ نماز میں عام انسانی گفتگو مناسب نہیں ہوتی، نماز صرف تسلیم وتکبیر اور تلاوت کے لیے ہے۔ (مسلم باب تحریم الکلام فی الصلاۃ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حیاء شجاعت اور دلیری

جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حیا کا تعلق ہے اس بارے میں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیاء دار اور پاکیزہ تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی چیز ناگوار گزرتی تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور سے صاف ظاہر ہو جاتا تھا (بخاری کتاب المنقب، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ حسین و جمیل سب سے زیادہ سخی وفیاض اور شجاع اور بہادر تھے ایک رات اہل مدینہ خوف زدہ ہو گئے کہ جس طرف سے آواز آتی وہ لوگ اس طرف رخ کر لیتے، راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لاتے ہوئے انکو ملے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آواز سن کر ان سب سے پہلے وہاں تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے چلے جا رہے تھے کہ ڈرو نہیں دُور

نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار تھے جس پر زین بھی نہ تھا تلوار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شان (کندھے) سے لٹک رہی ہے تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑے کی تعریف فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اس کو سمندر کی طرح رواں اور تیز رفتار پایا۔ (الادب المفرد بروایت صحیحین)

غزوہ احد اور حنین میں جب بڑے بڑے بہادر اور جگر دار تتر بتر ہو گئے تھے اور میدان خالی تھا اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خچر پر اسی طرح سکون اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے مقام پر موجود تھے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بات ہی نہیں ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رجز (قول) بھی پڑھتے جا رہے تھے: أَنَا النَّبِيُّ لاَ كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔

میں نبی ہوں یہ کوئی جھوٹی بات نہیں میں عبد المطلب کا فرزند ارجمند ہوں۔ (بخاری ، کتاب الجہاد والسیر باب من وصف اصحابہ عند الھزیمہ ونزل عن دابتہ واستنصر ،293)

شفقت اور محبت

اس شجاعت و بہادری کے باوجود نرم دل ولہجہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں بہت جلد نم اور اشکبار ہو جاتیں کمزور اور بے زبان جانوروں کے ساتھ بھی اپ نرمی کا حکم فرماتے چنانچہ سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر چیز کے ساتھ اچھا معاملہ اور نرم برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے اگر قتل بھی کرو تو اچھی طرح کرو، ذبح بھی کرو تو اچھی طرح کرو تم میں سے جو ذبح کرنا چاہتا ہے وہ اپنی چھری اچھی طرح تیز کر لے اور اپنے ذبیحہ کو آرام دے۔ (صحیح مسلم)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عورت کو صرف اس بات پر عذاب دیا گیا کہ اس نے اپنی بلی کو کھانا و پانی نہیں دیا اور نہ اس کو چھوڑا کہ وہ حشرات الارض (زمین کے کیڑے مکوڑوں پر گزارا کر سکے) ہی سے اپنا پیٹ بھر لے۔ (امام نووی بروایت مسلم)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ جو تم پہنتے ہو وہی انکو پہناؤ اور اللہ تعالی کی مخلوق کو عذاب میں مبتلا نہ کرو جن کو اللہ تعالی نے تمہارے ماتحت کیا ہے تمہارے خادم، تمہارے بھائی اور مددگار ہیں، جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو اسے چاہیے کہ خود جو کھاتا ہے وہی اس کو کھلائے جو خود پہنتا ہوں وہ اسے پہنائے اس کے سپرد ایسا کام نہ کرو جو انکی طاقت سے باہر ہو اگر ایسا کرنا ہی پڑے تو انکا ہاتھ بٹاؤ۔ (صحیح البخاری سنن ابی داؤد)

قبول اسلام سے اخلاقی تبدیلی

علامہ حلبیؒ نے سیرۃ حلبیہ میں حضرت خوات بن جبیرؓ کے متعلق لکھا ہے کہ اسلام لانے سے قبل ایک دن وہ چند عورتوں کے پاس گزرے ان عورتوں کے حسن نے دل موہ لیا ان کے پاس بیٹھنے کیلئے یہ بہانا تراشا کہ میرا اونٹ بھاگ گیا ہے میرے ساتھ تم رسی بٹ دو اس بہانہ سے حضرت خوات بن جبیرؓ ان عورتوں کے پاس بیٹھ گئے اتفاقاً ادھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقت حال سمجھ گئے لیکن خاموشی کے ساتھ وہاں سے گزر گئے بعد میں جب حضرت خوات بن جبیرؓ اسلام لائے تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

مسکراتے ہوئے ان سے پوچھا: ''مافعل ببعیرک الشادر؟'' آپ کے بھاگے ہوئے اونٹ کا کیا بنا؟ حضرت خوات بن جبیرؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریض سمجھ گئے اور بڑا خوبصورت جواب دیا کہا یا رسول اللہ ''قیدہ الاسلام'' یعنی یا رسول اللہ اس کو تو اسلام نے باندھ لیا اندازہ لگائے کہ اسلام کی آمد سے زندگی کی اخلاقی قدریں کس طرح بدلیں۔ (سیرۃ حلبیہ ج:۲ ص:۱۴۷)

جوڑا جیسی خرافات اس راہ میں بڑی رکاوٹ بن گئے ہیں جس کی وجہ سے لڑکا لڑکی کی عمریں بڑھتی جارہی ہیں اور نت نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں اور نکاح میں تاخیر کئی ایک سماجی واخلاقی برائیوں کا سبب بنتی جارہی ہے۔ (عورت پر اسلام کی مہربانیاں، ص/72)

نکاح میں تاخیر اخلاقی برائیوں کا باعث

نکاح انسان کی فطری وطبعی ضرورت کی تکمیل، انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی سنت اور افزائش نسل کو حلال و پاکیزہ ذریعہ ہے۔

آج دنیا بے راہ روی، بے پردگی، بہیمیت وحیوانیت کو تہذیب وتمدن کی بلندی شمار کررہی ہے اور ایسے دور میں مسلم معاشرہ کو دنیا کی گمراہی وضلالت وخواہشات نفسانی کے دجل وفریب سے محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان میں اسلامی شعور کو بیدار کیا جائے اور مسلم نوجوان لڑکا ولڑکی کو جلد سے جلد شادی کے بندھن میں باندھ کر دنیا کی برائیوں اور فساد سے محفوظ رکھا جائے۔

بے پردگی، حسن کی نمائش، عریانیت، مرد وزن کے آزادانہ میل ملاپ نے انسانی سماج کی جڑیں کھوکھلی کردی ہیں۔ اب بدکاری کو بھی غلط نگاہ سے نہیں دیکھا جارہا ہے۔

ایسے پر آشوب دور میں جہاں رقص و سرور کی محفلیں عام ہیں۔ فلمی بینی کے مواقع کھلے ہیں۔ مسلم نو جوان کی عصمت و آبرو کی حفاظت مشکل نظر آ رہی ہے۔

ان حالات میں اسلامی تعلیمات پر عمل ہی انسان کو نجات و کامیابی عطا کر سکتا ہے۔ مسلم سرپرستوں کو اسلامی رو سے اپنی اولاد کی جلد سے جلد شادی کرنے پر توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔ لیکن اسراف، فضول خرچی، نمائش کا اظہار، سماج میں مقام برقرار رکھنا، بے جا رسومات، غیر ضرری رواجات، گھوڑا جوڑا جیسی خرافات اس راہ میں بڑی رکاوٹ بن گئے ہیں جس کی وجہ سے لڑکا لڑکی کی عمریں بڑھتی جارہی ہیں اور نت نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں اور نکاح میں تاخیر کئی ایک سماجی و اخلاقی برائیوں کا سبب بنتی جارہی ہے۔ (عورت پر اسلام کی مہربانیاں، ص/72)

عورتوں کی نیکیاں مردوں سے کم نہیں ہوتیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور معروف صحابی جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا گورنر بھی بنایا تھا ان کی پھوپھی زاد بہن حضرت اسماء بنت یزید کے متعلق احادیث کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید کا شمار عقلمند اور دیندار خواتین میں ہوتا تھا۔ ان سے روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عورتوں کی بڑی جماعت کی طرف سے نمائندہ بن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئی ہوں تمام عورتوں کی طرف سے یہ عرض ہے کہ اللہ پاک نے آپ کو مردوں اور عورتوں

دونوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے اس لئے ہم بھی آپ پر ایمان لے آئیں اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر رہے ہیں لیکن ہم عورتیں پردہ میں رہنے والی اور اپنے بچوں کی پرورش کرنے والی ہیں مرد حضرات ہم سے جمعہ، جنازہ اور جہاد میں بازی لے گئے جب کہ مرد جہاد میں جاتے ہیں تو ہم ان کے گھر بار وغیرہ کی حفاظت کرتی ہیں اور ان کے بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم کو بھی ان کے جتنا ہی ثواب ملے گا؟ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''دین اور مذہب کے سلسلہ میں اس قسم کی خوبی سے بھرا ہوا سوال آج تک کسی دوسری عورت سے نہ سنا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں خدا کی قسم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کے بعد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی اسماء سے مخاطب ہو کر فرمایا اے اسماء میری مدد کرو اور جن عورتوں نے تم کو نمائندہ بنا کر بھیجا ہے ان کو میری طرف سے یہ بات پہنچا دو کہ تم حسن وخوبی سے گھریلو زندگی کا نظام چلاؤ اور اپنے شوہر کو خوش رکھا کرو اور آپس میں صلح وسکون کے لئے ان کی تابعداری کیا کرو تمہارے ان کاموں اور امور کا ثواب اوپر بتلائے ہوئے مردوں کے کاموں کے برابر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک سن کر حضرت بی بی اسماء رضی اللہ عنہا بے حد خوش ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی تعریف کرتی ہوئی وہاں سے واپس ہوئیں۔

اور ایک دوسری مشہور حدیث ہے کہ عورت خاوند کے گھر اور اس کے بال بچوں کی ذمہ دار ہے قیامت کے دن اس سے اس سلسلہ میں باز پرس ہوگی۔ (مشکوٰۃ)

عورتوں کے کھانا بنانے پر دھواں لگنے کا ثواب اور مقام

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور گرد آلود عورت قیامت کے دن اس طرح ہوں گے راوی کا بیان ہے کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی ساتھ ملا کر ''اس طرح ہوں'' ایسا فرمایا:۔گرد آلو عورت کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت جو گھر کے کام کاج شوہر کی خدمت اور اسکے بال بچوں کا نہلانے دھلانے کی مصروفیت کی وجہ سے اور چولھے چکی کی وجہ سے جو دھواں وغیرہ لگتا ہے وہ ''گرد'' مراد ہے سبحان اللہ یہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں روایتیں ہیں کہ وہ اپنا گھر کا سارا کام حتی کہ پانی لانا جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانا چکی پیسنا وغیرہ سب کام خود کرتی تھیں۔

جس کی بنا پر ہاتھ پر اور جسم کے دوسرے حصوں پر گٹوں کے نشانات لگے ہوئے تھے کوئی اندازہ کیا کرسکتا ہے دونوں جہاں کے سردار کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا! جبھی تو انہیں جنت کی تمام عورتوں کی سردار کہا گیا ہے۔

مصافحہ میں پہل کرنا اونچے اخلاق میں سے ہے

حضرت براء بن عازب ؓ سے مروی ہے: کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا، آپ وضو فرما رہے تھے سلام کا جواب نہیں دیا؛ حتی کہ جب آپ وضو سے فارغ ہوئے تو سلام کا جواب دیا اور ہاتھ بڑھا کر مصافحہ بھی کیا۔ (کنز العمال: ۲۵۷۱۸)

دورانِ وضو کوئی سلام کردے تو فوری جواب دینا بھی جائز ہے، اور اِس کی بھی گنجائش ہے کہ وضو مکمل کرکے، سلام کا جواب دے؛ تاکہ اعضاء وضو دھونے میں خلل واقع نہ ہو۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے وضو سے فراغت کے بعد سلام کا جواب دیا اور خود ہی مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ طرزِ عمل آپ کی خاکساری اور تواضع کا عکاس ہے، بعض لوگ تواضع اختیار کرنے کو اپنی آن اور شان کے خلاف سمجھتے ہیں، سلام ومصافحہ یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جن میں پہل کرنا، تواضع وخاکساری کی دلیل ہے، انسان اِن دونوں چیزوں میں بسا اوقات پہل نہیں کرتا، راستہ کاٹ کر نکل جاتا ہے؛ اِس کی وجہ تواضع کی کمی ہوتی ہے، یہ نکتہ ہمیشہ ہر مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے؛ بلکہ یہ ایک اسلامی حقیقت ہے کہ تواضع انسان کی پستی کی وجہ نہیں؛ بلکہ تواضع عند اللہ انسان کی رفعت وبلندی کا ایک یقینی ذریعہ ہے، یقین نہ ہو تو تجربہ کرکے دیکھئے، درخت کی وہی شاخیں جھکی ہوتی ہیں، جن پر پھل ہوتے ہیں، اور لوگوں کو سایہ بھی انہیں درختوں سے حاصل ہوتا ہے، اور جن درختوں پر پھل نہیں ہوتے، وہ دیکھنے میں بڑے لمبے اور مینار جیسے ہوتے ہیں؛ لیکن دھوپ میں اُن سے سایہ بھی نہیں ملتا، کوئی مسافر وہاں رکنا پسند نہیں کرتا؛ حتی کہ جانور بھی نہیں، مصافحہ میں ہاتھ بڑھائیے، تواضع کی دولت ملے گی۔ (اسلام کا نظام سلام ومصافحہ ص/ 344)

لمبی خاموشی اور حسنِ اخلاق کا فائدہ

عن أنسٍ عَنْ رَسُولِ اللهِ۔ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ قَالَ يَاأَبَاذَرٍ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى خَصْلَتَيْنِ هُمَا أَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ وَأَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ قَالَ قُلْتُ: بَلَى قَالَ طُوْلُ

الصَّمْتِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ والّذی نَفْسِی بِیَدِہٖ مَا عَمِلَ الْخَلاَئِقُ بِمِثْلِھِمَا۔

(مشکوۃ المصابیح، ص ر ۴۱۵، ج ر ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوذر رضی اللہ عنہ کیا میں تمہیں دو خصلتیں نہ بتادوں جو (مکلف انسان کی پیٹھ پر یعنی اس کی زبان پر بہت ہلکی ہیں) لیکن اعمال کے ترازو میں بہت بھاری ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا میں نے (یہ سنکر) عرض کیا ہاں ضرور بتایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی معرفت اور نظام قدرت میں غور وفکر کیلئے طویل خاموشی اور خوش خلقی، قسم ہے اس ذات پاک کی جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مخلوق کیلئے دونوں خصلتوں سے بہتر کوئی کام نہیں ہے۔

تشریح:

حضرت انس رضی اللہ عنہ خادمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں دس سال خدمت بابرکت میں رہے اور خوب فیض یاب ہوئے کہتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوذر کیا تمکو دو باتیں نہ بتلاؤں جو آسان ہیں عمل کے اعتبار سے اور ثواب بہت زیادہ ملے گا جبکہ میزان اعمال میں انکا وزن ہوگا۔

(1) طویل خاموشی اور دوسری شیئے ہے اچھے اخلاق و عادات خاموشی کے عالم میں تفکر فی مصنوعات اللہ تعالیٰ کا موقع بہت ملتا ہے، تفکر فی ایام اللہ کر وکس طرح امتوں پر عذاب آیا اور کن کو نجات اور نعمت سے نوازا گیا تا کہ عبرت حاصل ہو بصیرت کی آنکھ کھلے۔

(2) آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی دراز خاموشی اختیار کرنے والے تھے اس درمیان

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ پاک کی نشانیوں میں غور وفکر کرتے تھے یہ تفکر بڑی عبادت ہے اس تفکر سے معرفت کے ابواب کھلتے ہیں یہی تفکر عارفین کا طریقہ ہے اور دوسری شئی حسن خُلق ہے اچھے اخلاق سے لوگوں سے پیش آنا، جس سے دین اور دنیا کے کام آسان ہو جاتے ہیں اور دنیوی اور اخروی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ (تحفہ مومن، ص/46)

پاکیزہ اخلاق کہاں حاصل ہوں گے

حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اصل چیز اخلاق درست کرنے کی یہ ہے کہ صحبت صالح اختیار کی جائے، ان کے پاکیزہ اخلاق کا اثر آپ کے قلب پر پڑے گا، چند دن کے بعد آپ کو فرق محسوس ہوگا کہ اخلاق کچھ صحیح ہونے لگے، دل کا راستہ بدل جائے گا، دل ادھر ہی کو چل پڑے گا جدھر کو وہ صالح اور نیک آدمی چل رہا ہے، اس لیے سب سے اعلیٰ طریقہ علم و معرفت اور اخلاق حاصل کرنے کا اہل اللہ، اہل دل اور سچوں کی صحبت ہے، اسی واسطے قرآن کریم میں امر فرمایا گیا "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ" اے ایمان والوں! اللہ سے ڈرو اور سچوں کی معیت اختیار کرو، یعنی ڈر تمہارے دل میں قائم نہیں رہے گا جب تک ڈر والوں کی معیت اختیار نہ کرو، ان کے پاس بیٹھو تو ڈر دل میں اثر کر جائے گا، تقویٰ دل کے اندر اثر کر جائے گا، دین اہل اللہ کی صحبت سے پیدا ہوتا ہے، نہ کتاب سے آتا ہے نہ مدرسوں کے دروازوں سے، اہل دل کے دل سے آتا ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ۳/۷۸)

شیخ الاسلام کے حسن اخلاق نے دشمن کو توبہ کرنے پر مجبور کر دیا

اس سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آیا۔حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جب آخری حج سے تشریف لا رہے تھے تو ہم لوگ اسٹیشن پر شرفِ زیارت کے لیے گئے ،اس وقت حضرت کے متوسلین میں سے ایک شخص محمد عارف جھنگ سے دیو بند تک ساتھ گئے،ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹلمین بھی تھا،جس کو قضاءِ حاجت کے لیے جانا تھا،لیکن جا کر الٹے پاں بادلِ ناخواستہ واپس آیا،حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے،فوراً لوٹا لے کر پاخانہ گئے اور اچھی طرح اسے صاف کر کے واپس آ گئے ،پھر اس ہندو دوست سے فرمانے لگے : آپ قضاءِ حاجت کے لیے جانا چاہتے تھے تو جائیے !بیت الخلاء بالکل صاف ہے قصہ مختصر وہ اٹھا اور جا کر دیکھا تو پاخانہ بالکل صاف تھا،بہت متاثر ہوا اور قضاءِ حاجت کے بعد بھر پور عقیدت سے عرض کرنے لگا: یہ حضور کی بندہ نوازی ہے، جو سمجھ سے باہر ہے اس واقعہ کو دیکھ کر ٹرین میں سوار خواجہ نظام الدین تونسوی مرحوم نے ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ کھدر پوش کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ مولانا حسین احمد مدنی ہیں تو خواجہ صاحب فوراً حضرت مدنیؒ سے لپٹ گئے اور رونے لگے، حضرت مدنیؒ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو کہا: سیاسی اختلاف کی وجہ سے میں نے آپ کے خلاف فتوے دیے اور برا بھلا کہا، آج آپ کے اعلیٰ کردار اور اخلاق کو دیکھ کر تائب نہ ہوتا تو شاید مر کر سیدھا جہنم میں جاتا۔ اس پر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میرے بھائی! میں نے تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا ہے اور وہ سنت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ایک یہودی مہمان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر رات کھا کر پاخانہ کر دیا اور صبح اٹھ کر جلدی چلا گیا، اور اپنی تلوار وہیں بھول گیا، جب اپنی بھولی ہوئی تلوار لینے آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اپنے دستِ مبارک سے بستر دھو رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن اعلیٰ اخلاق کو دیکھ کر وہ یہودی مسلمان ہو گیا۔ (ماہنامہ الرشید، کتابوں کی درسگاہ میں) اس لیے بندہ کا خیالِ ناقص یہ ہے کہ حسنِ اخلاق دعوتی میدان میں نہایت ہی مؤثر پیغام رکھتا ہے، اس کی حیثیت ایک سائلینٹ میسیج (خاموش پیغام) کی ہے، آج ہم مسلمان اسلام کی تعلیم و تاکید کے مطابق حسنِ اخلاق اختیار کر لیں تو یقیناً غیر مسلم ہمارے اخلاق کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیں، اس لیے کہ جو قوم ہر کنکر کو شنکر مان کر اس کے سامنے جھکتی ہے وہ حسنِ اخلاق کے سامنے کیوں نہ جھکے گی؟ وہ حسنِ اخلاق سے کیسے متاثر نہ ہوگی؟ لہٰذا ضرورت ہے ایمان کے بعد اخلاص کے ساتھ اخلاق سے پیش آنے کی۔

حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاقِ حسنہ کا واقعہ

قضیۂ دارالعلوم دیوبند کے دوران کچھ ناسمجھ طلباء حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف احتجاج کر رہے تھے کہ اسی دوران حضرت قاری صاحب اسی طرف تشریف لاتے نظر آئے۔ ایک گستاخ طالب علم نے آپ کو جان بوجھ کر کہنی ماردی تو آپ زمین پر گر گئے۔ لوگوں نے آپ کو اٹھا کر دارالعلوم پہنچایا، انتظامیہ کو معلوم ہوا۔

نوٹس لیا کہ ان تمام طلباء کا اخراج کر دیا جائے لیکن حضرت قاری صاحب نے منظور نہ فرمایا بالآخر انتظامیہ نے مشورہ دیا کہ اس گستاخ طالب علم کا اخراج ضرور ہونا چاہئے، جس نے راستے میں گرایا تھا، اس پر حکیم الاسلام نے فرمایا نہیں ہرگز نہیں، میں اس کے اخراج کے خلاف ہوں، اس کو معاف کرتا ہوں۔ سبحان اللہ! اس طرح کی مثالیں ہمارے لئے بڑی عظیم مثالیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ۶۴ سال تک دارالعلوم کی خدمت لی، آج ایسے مہتمم سے دارالعلوم محروم ہے جو اپنے آپ میں ایک انجمن تھے اور پاک طینت تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی علمی عملی خدمات کو قبول فرمائے۔

(انوار طریقت، ص/139)

غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کے چند واقعات

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اعلان نبوت کیا تو کل عرب آپ کے جانی دشمن بن گئے۔ پھر ایذا رسانیوں نا ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کئی بار آپ پر جان لیوا حملے بھی کیے گئے۔ ہر طرح سے آپ کو ستایا گیا۔ آپ کی پشت پر اوجھڑی ڈالی گئی۔ جب آپ کے گھر کھانا بنتا تو ہانڈیوں میں غلاظت اور گندگی ڈال دی جاتی۔ آپ پر پتھر برسائے گئے جس سے آپ کا پیر لہولہان اور خون آلود ہو گیا۔ آپ کے دندان مبارک کو شہید کیا گیا جس سے آپ کا منہ خون سے بھر گیا۔ الغرض آپ کے دشمنوں نے آپ کو دردناک ایذا رسانیوں سے دوچار کیا۔ لیکن قربان جائیے پیارے نبی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن سلوک پر کہ آپ نے کبھی بھی اپنے دشمنوں سے ان کی ایذا رسانیوں کا بدلہ نہیں لیا بلکہ انھیں معاف کرتے رہے۔ درج ذیل روایات و واقعات سے آپ کے حسن اخلاق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کیونکہ یہ لوگ مجھے جانتے نہیں''

(أخرجہ ابن حبان في الصحیح حدیث نمبر ۹۷۳)

اور حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں؛ صحابہ کرام نے آپ سے عرض کیا گیا: یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین کے خلاف بد دعا کر دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ے فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا یا عذاب بنا کر نہیں بھیجا گیا، مجھے تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

(اخرجہ البخاری فی الادب المفرد حدیث نمبر ۳۲۱)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو سنا سنا کر نعرہ لگانا شروع کیا: ''الیوم یوم الملحمۃ'' آج کا دن تو قتل عام کا دن ہے۔ آج کعبہ کی حرمت بھی حلال کر دی جائے گی۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے یہ بات پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: سعد نے غلط کہا ہے۔ آج تو اللہ تعالیٰ کعبہ کو عظمت عطا فرمائے گا۔ اور آج کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔'' (بخاری)

اور حضرت امام عسقلانی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وسلم نے فرمایا:''

آج کا دن رحمت کا دن ہے، اللہ تعالیٰ آج قریش کو عزت سے نوازے گا۔''

(صحیح بخاری حدیث نمبر ۴۰۳۰)

یہ وہی ابوسفیان ہیں جن سرکردگی میں اسلام کے خلاف بہت سی جنگیں لڑی گئیں۔ انہی کی سرپرستی میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک کو شہید کیا گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے ان کے ناک کان کاٹ لیے گئے اور ان اک دل جگر نکال کر چبایا گیا اور ان کے ٹکڑے کر کے گلے کا ہار بنایا گیا۔ یہ کوئی اور نہیں ابوسفیان کی بیوی ہندہ تھیں۔ ابھی تک دونوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور وہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبضے میں بھی ہے۔ آپ چاہتے تو ان کے تکے بوٹی کر سکتے تھے۔ لیکن پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن سلوک کا یہ عالم کہ آپ جب فاتحانہ شان شوکت کے ساتھ مکہ میں داخل ہوتے ہیں تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بڑے اعزاز سے نوازتے ہیں؛ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن پیارے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اُسے امان حاصل ہے، جو شخص ہتھیار پھینک دے اُسے امان حاصل ہے، جو شخص اپنے گھر کے دروازے بند کر لے اُسے امان حاصل ہے۔'' (صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۷۸۰)

پھر حضرت ابوسفیان ایمان لا کر شرف صحابیت سے مشرف ہوئے۔ ساتھ ہی آپ کی زوجہ حضرت ہندہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فتح خیبر کے موقع پر ایک یہودیہ نے بکری کے گوشت میں زہر ملا کر پیارے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اُس گوشت میں سےکچھ کھایا تو وہ گوشت بول بڑا کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ پھر اُس عورت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا، پوچھنے پر اُس نے کہا: میں نے (معاذ اللہ) آپ کے قتل کا ارادہ کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے اِس پر یعنی مجھے مارنے پر قادر نہیں کرے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا ہم اِسے قتل نہ کر دیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں اور اس یہودی عورت کو معاف فرما دیا حالاں کہ اُس زہر کا اثر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے منہ میں ہمیشہ پایا گیا۔'' (صحیح بخاری حدیث نمبر ۲۴۷۴)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہمراہ نجد کی جانب سفرِ جہاد کیا۔ پھر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہم بڑی کانٹے دار درختوں والی وادی میں پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے نیچے جلوہ افروز ہوئے اور اپنی تلوار اُس درخت کی ایک شاخ کے ساتھ لٹکا دی۔ باقی اصحاب آرام کی غرض سے دوسرے درختوں کے سائے میں ادھر اُدھر بکھر گئے۔ پھر جب صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں سو رہا تھا تو میرے پاس ایک شخص آیا، اور اُس نے تلوار اُٹھالی، جب میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ وہ شخص میرے سر پر کھڑا تھا، میں نے دیکھا کہ وہ شخص ہاتھ میں سونتی ہوئی تلوار لے کر کھڑا ہے۔ اُس نے مجھ سے پوچھا: (اے محمد!) اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے جواب دیا: اللہ، پھر اُس نے دوسری مرتبہ کہا: آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا: اللہ۔ یہ سن کر وہ خوف زدہ ہوا اور تلوار نیچے گرا دی، سو وہ شخص یہ بیٹھا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اُس سے انتقام بھی نہیں لیا۔'' (صحیح بخاری حدیث نمبر ۳۹۰۵)

حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک غزوہ میں شریک تھے۔ مجاہدین اسلام لڑتے رہے یہاں تک کہ دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو گیا پھر انھوں نے مشرکوں کو بہت زیادہ قتل کیا۔ اسی درمیان بعض مجادین نے کچھ بچوں کو بھی قتل کر ڈالا۔ یہ بات پیارے نبی ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: تعجب ہے ان لوگوں پر جن کے قتل کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انہوں نے بچوں تک کو قتل کر ڈالا آخر انھیں کیا ہو گیا!! خبردار! بچوں کو ہرگز ہرگز قتل نہ کرنا! خبردار! بچوں کو ہرگز ہرگز قتل نہ کرنا!، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیوں کیا وہ مشرکوں کے بچے نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے جو آج ان سے اچھے لوگ ہیں کیا کل یہ بھی مشرکوں کے بچے نہیں تھے؟ (نسائی شریف حدیث نمبر ۸۶۱۶)

حضرت عبدالرحمن بن ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سہل بن حُنَیف اور حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما ''قادسیہ'' میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اُن کے پاس سے ایک جنازہ گزرا۔ دونوں کھڑے ہو گئے۔ اُن سے کہا گیا کہ یہ تو یہاں کے کافر ذمی شخص کا جنازہ ہے۔ دونوں نے بیان فرمایا: ایک مرتبہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس سے جنازہ گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ عرض کیا گیا: یہ تو یہودی کا جنازہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ انسانی جان نہیں ہے۔'' (اخرجہ البخاری في الادب المفرد حدیث نمبر ۳۲۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی پیارے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس سے گزرا تو اُس نے کہا: ''السام علیک''، ''جس کا مطلب ہوتا ہے کہ تجھ پر معاذ اللہ موت ہو۔ تو حضور نبی اصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''وعلیک'' پھر آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے؟ اس شخص نے بددعا کی اور کہا کہ تجھ پر موت ہو۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اجازت دیں کہ اس بدبخت کا سر اڑا دیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا اور کہا کہ جب اہل کتاب تمہیں سلام کیا کریں تو تم بھی اُنہیں ''وعلیکم'' کہہ دیا کرو۔ (صحیح بخاری؛ حدیث نمبر ۶۵۲۷)

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کے چند واقعات تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ومحبت رکھنے والوں کو چاہیے کہ محسن کائنات کی سیرت وکردار کو اپنائیں! اگر ہم بھی اپنے مخالفین اور دشمنوں کے ساتھ اسی طرح حسن سلوک کا مظاہرہ کریں تو ہماری ساری عداوتیں اور نفرتیں محبتوں میں تبدیل ہو جائیں۔ لوگ حقیقت اسلام سے آشنا ہو جائیں اور ان کے ذہنوں سے اسلام دہشت گردی کا تصور ہی ختم ہو جائے۔ اللہ ہمیں سیرت رسول پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

انسان کے اخلاق کی سب سے معتبر گواہی اس سے قریب ترین شخص کی ہو گی

آپ کے مکارم اخلاق کی پہلی شہادت ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے دی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی وحی آئی تو آپ گھبرا گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اسی پریشانی اور گھبراہٹ کے عالم میں سیدھے گھر تشریف لائے اور اپنی اہلیہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا مجھ کو اڑھا دو، مجھ کو اڑھا دو، مجھے اپنی زندگی خطرے میں معلوم ہوتی ہے، اس پر ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كلا والله ما يجزئك الله أبدا، انك لتصل الرحم، و تحمل الكل، وتكسب المعدوم وتقرى الضيف و تعين على نوائب الحق۔ (بخاری:٣)

''اللہ کی قسم اللہ آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ آپ یقینا صلہ رحمی کرتے ہیں، معذوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مفلس کو سہارا دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی خاطر ہونے والی مصیبت پر مدد کرتے ہیں''

حضرت عائشہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ان خلق نبی الله كان القرآن۔ (ابوداؤد:١٣٤٢)

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا

ابوعبداللہ جدلی کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے تو انہوں نے فرمایا:

لمیکن فاحشا ولا متفحشا ولا صخابا فی الأسواق ولا يجزى بالسيئة السيئة ولكن يعفو و يصفح۔ (ترمذی:٢٠١٦ صححہ الالبانی)

''آپ نہ فحش گو تھے اور نہ فحش گوئی کو پسند کرتے تھے، اور نہ بازار میں چیخ پکار کرتے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے، بلکہ معاف فرماتے اور درگزر کر دیتے تھے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں:

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دس سال رہا، اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ

سے کبھی اف تک نہیں کہا اور نہ کسی بات کے تعلق کے سے کہا کہ ایسا کیوں کیا؟ ایسا کیوں نہیں کیا؟'' (مسلم:۲۳۰۹)

گزشتہ تفصیل سے یہ خوبی واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام میں حسن اخلاق کو کتنی اہمیت دی گئی ہے اور اللہ کے رسول کا اسوہ اس معاملے میں کیا رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ امت مسلمہ کا رویہ اسلامی تعلیمات اور اسوہ نبی ﷺ سے بالکل مطابقت نہیں رکھتا۔ ان کی اکثریت اخلاق و کردار سے عاری ہے۔ معاملے کی صفائی اور شفافیت، دوسروں کے ساتھ اچھا برتاؤ، اعلیٰ اخلاق و کردار کا مظاہرہ اور دیگر اخلاق فاضلہ جو کبھی ان کی پہچان ہوا کرتے تھے اب عنقا ہوچکے ہیں اور تمام اخلاقی برائیاں جو دیگر اقوام میں پائی جاتی ہیں، وہ ان میں درآئی ہیں۔ جب تک وہ اپنے اخلاق و کردار کو نہیں سنواریں گے اور ان کی زندگیاں اسلام کی تعلیمات کا عملی نمونہ نہیں پیش کریں گی اس وقت تک اشاعت اسلام کی راہ کی رکاوٹ دور نہیں ہوسکتی۔

حسن نیت کے ساتھ ہی عمل مقبول اور مفید ہوتا ہے

مولائے رحیم و کریم علیم بذات الصدور ہے۔ اللہ رب العزت دلوں کی بات ہی نہیں بلکہ وہ دل کی ہر دھڑکن کو جانتا ہے۔ اور جاننے کے ساتھ ساتھ حساب بھی لے گا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ۔ (القرآن، سورہ البقرہ، آیت ۲۸۴)

ترجمہ: اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر

کرو جو کچھ تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ (کنزالایمان)

نیت کہتے ہیں دل کے پکے ارادے کو۔ جو بھی کام ہم کریں گے اس میں نیت کی اچھائی و برائی دیکھی جائے گی اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں نیت کے اعتبار سے ہی سزا و جزا کا فیصلہ ہوگا، ہمارا کوئی بھی عمل نیت کے بغیر قابل اعتبار نہیں۔ ہمارے سارے اعمال کا دارومدار ہماری نیت پر ہے۔ خالص اللہ و رسول کی رضا جوئی کی نیت سے کام کرنا ہی فلاح کا ضامن ہے۔ بخاری شریف کی پہلی حدیث پاک ہمیں اخلاص نیت کی تعلیم دیتی ہے۔

اللہ رب العزت نے بخاری شریف کو وہ مقبولیت عطا فرمائی ہے کہ آج بارہ سو سال گزرنے کے باوجود یہ کتاب سند کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ حضرت امام بخاری کا اخلاص و نیک نیتی ہے۔ امام بخاری فقہ و حدیث میں مجتہدانہ شان کے حامل ہیں۔ انہوں نے ایک ایک حدیث کو درج کرنے سے پہلے طہارت، نظافت اور پاکیزگی کے انتہائی اہتمام کے ساتھ نماز و دعا کا اہتمام فرمایا اور سولہ سال کی گراں قدر محنت و مشقت کے بعد امت کو یہ عظیم ذخیرۂ حدیث عطا فرمایا، جس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری حیات طیبہ کو دین اسلام اور اسلام کے ہر ہر جز کو امت کے سامنے پیش کر دیا تا کہ آپ کی مکمل حیات ہمارے سامنے آ جائے۔ چنانچہ بخاری شریف کی پہلی حدیث نیت کے بارے میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَّا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (الخ۔)

ترجمہ: بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور بے شک ہر انسان کے لئے وہی ہے جو وہ نیت کرے تو جس کی ہجرت اللہ ورسول کے لئے ہے تو اللہ ورسول کے لئے ہجرت کا ثواب اسے ملے گا اور جس کی ہجرت دنیا کے حصول یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے ہے تو اس کی ہجرت کا اجروثواب اسے وہی ملے گا جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔ (صحیح بخاری، باب الایمان، حدیث نمبر ۱)

اگر ہم غوروفکر سے کام لیں تو صرف یہی ایک حدیث ہماری نیتوں کی درستگی اور اعمال کی پاکیزگی کے لئے کافی ہے۔ بڑے واضح اور جامع انداز میں نبی رحمت ﷺ نے ہمارے عمل وکردار کا رخ متعین فرمادیا ہے کہ ہمارے سارے اعمال وافعال نیت کے بغیر صحیح نہیں ہوتے۔ جیسی نیت ویسی برکت۔ آقائے دوعالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ بندہ بہت سے نیک اعمال کو انجام دیتا ہے۔ فرشتے اس کو آسمان پر لے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان اعمال کو اس کے نامۂ اعمال سے نکال دو، کیونکہ اس نے یہ کام میری خوشنودی کے لئے نہیں کیے ہیں اور ہاں، فلاں فلاں اعمال اس کے نامہ اعمال میں درج کردو۔ فرشتے عرض کریں گے الہ العالمین! اس بندے نے تو یہ کام کیے نہیں ہیں تب اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اس نے دل میں ان کاموں کی نیت کی تھی۔ حدیث پاک میں ہے۔ نیة المؤمن خیر من عمله (المعجم الکبیر، طبرانی جلد ۷، ص ۱۸۵، حدیث نمبر ۵۹۴۲)

مومن کی نیت عمل سے بہتر ہے۔ عمل وکردار میں دکھاوا، اہلِ دنیا کی خوشنودی شامل ہوسکتی ہے مگر نیت میں ریا (دکھاوا) کا دخل نہ ہوگا۔

ہمارے کام کو اہل دنیا دیکھ سکتے ہیں مگر ہماری نیت کو مولائے علیم وخبیر

دیکھتا ہے۔لہٰذا ہمارے کام اور ہماری نیت کی جزاوسزا بھی رب تعالیٰ ہی عطافرمائے گا۔حدیث پاک کی روشنی میں ایک دلچسپ وسبق آموز واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یومِ قیامت بارگاہِ الٰہی میں ایک بندہ پیش ہوگا جس کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا۔جس میں حج ،عمرہ، جہاد، زکوٰۃ،صدقہ لکھا دیکھے گا۔ بندہ دل میں کہے گا کہ میں نے اس میں کچھ بھی نہیں کیا، یہ میرا نامہ اعمال نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا یہ تمہارا ہی نامہ اعمال ہے۔تم اپنی زندگی میں یہ کہتے تھے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو حج وعمرہ کرتا،صدقہ وخیرات کرتا، جہاد کرتا۔ میں جانتا ہوں کہ تم اپنی اس نیت میں سچے ہوتو میں نے تم کو ان سب چیزوں کا ثواب عطا فرمادیا۔اور ایک ایسا بندہ بھی پیش کیا جائے گا جس کے ساتھ پہاڑوں جیسی نیکیاں ہوں گی ۔منادی آواز دے گا جس کسی کا اس پر حق ہووہ بدلے میں اس کی نیکیاں لے لے۔سن کر سارے لوگ آئیں گے اوراس کی نیکیاں لے جائیں گے۔ یہاں تک کہ نیکیاں ختم ہوجائیں گی۔ وہ حیران وششدر رہ جائے گا۔اس وقت رب کریم ارشاد فرمائے گا۔ تیرا ایک خزانہ میرے پاس ہے،جس کی خبر نہ میرے فرشتوں کو نہ کسی مخلوق کو ہے۔ بندہ عرض کرے گا بارِالٰہ وہ کیا ہے؟ رب تعالیٰ فرمائے گا وہ تیری نیک نیتی ہے۔ جسے تو نے دنیا میں کیا تھا۔ میں نے اسے ستر گنا کر کے لکھ دیا ہے جو تیری نجات کے لئے کافی ہے۔دیکھا آپ نے مومن کی نیت نے مومن کو کیسے بچایا۔لہٰذا ثابت ہوا کہ مومن کے عمل سے بہتر مومن کی نیت ہے۔ اعمال صالحہ رکھتے ہوئے بھی حقوق العباد کی عدم ادائیگی کی وجہ سے سارے اعمال تقسیم کردیئے گئے ۔ اگر بچایا تو نیت

خالص نے بچایا۔ نِيَّةُ الْمُؤمِنِ خَيْرٌمِّنْ عَمَلِهٖ مومن کی نیت عمل سے بہتر ہے۔ پہلے واقعے میں تو عمل کا کوٹہ بھی نہیں ہے۔ نہ حج وعمرہ نہ جہاد وزکوۃ مگر صرف نیت کی برکت نے سارے اعمال دفتر میں درج کرادیئے۔

چار قسم کے لوگ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چار قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ مال رکھتا ہے اور علم کے مطابق مال کو خرچ کرتا ہے۔ دوسرا نیت تمنا رکھتا ہے کہ اگر یہ مال میرے پاس ہوتا تو میں اس کو راہِ خدا میں خرچ کرتا۔ تو ان دونوں کا ثواب برابر ہے۔ تیسرا وہ کہ مال کو بے جا و ناروا خرچ کرتا ہے اور چوتھا وہ یہ کہے وآرزو رکھے کہ میرے پاس مال ہوتا تو میں ایسا ہی کرتا تو ان دونوں کا گناہ یکساں و برابر ہے۔ معلوم ہوا کہ نیت اس عمل کا حکم رکھتی ہے جو نیت کے مطابق ہو۔

کیمیائے سعادت میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بنی اسرائیل کے ایک عابد کا قصہ درج فرمایا ہے کہ قوم بنی اسرائیل کا ایک آدمی ریت کے ڈھیر کے قریب سے گزرا۔ قحط کا زمانہ تھا اس نے کہا کہ اگر اس ٹیلے (ڈھیر) کے برابر میرے پاس گیہوں ہوتے تو میں فقیروں اور مساکین میں بانٹ دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی پر وحی نازل فرمائی اور حکمِ الٰہی ہوا۔ اے میرے نبی! اس شخص سے کہہ دو وہ صدقہ خدائے پاک نے قبول کرلیا ہے اور جس ڈھیر کے برابر گیہوں ہوتے اتنا ثواب تجھے عطا کیا گیا ہے۔ اور اگر تو نے صدقہ دینے کا عمل کیا ہوتا تو اتنا ہی ثواب تجھے ملتا۔

غزوہ تبوک میں عدم شرکت ثواب شرکت کا باعث

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غزوہ تبوک کے لئے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے تو ارشاد فرمایا کہ مدینے میں بہت سے لوگ رہ گئے ہیں مگر وہ ہمارے رنج و دکھ جو بھوک سفر سے ہم اٹھا رہے ہیں اس میں وہ شریک ہیں۔ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسا کیوں ہے؟ حالانکہ وہ ہم سے دور ہیں۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ عذر کی وجہ سے ہمارے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہو سکے ہیں لیکن ان کی نیت ہماری نیت کی طرح ہے۔ نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ ایمان کو مضبوط اور نیت کو اچھی بنانے کے لئے ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔اس بات کے بیان میں کہ عمل بغیر نیت اور خلوص کے صحیح نہیں ہوتے اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جو نیت کرے گا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: عمل نیت سے ہی صحیح ہوتے ہیں (یا نیت ہی کے مطابق ان کا بدلہ ملتا ہے) اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جو نیت کرے گا۔پس جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لئے ہجرت کرے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی۔اور جو کوئی دنیا کمانے کے لئے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے ہجرت کرے گا تو اس کی ہجرت ان ہی کاموں کے لئے ہوگی۔ (بخاری کتاب الایمان کے بیان میں حدیث نمبر ۵۴)

نیکی حاصل کرنے کا آسان نسخہ

نیت اچھی رکھیں: صالحین کرام و علما فرماتے ہیں کہ پہلے عمل کی نیت سیکھو اس کے

بعد عمل کرو۔ ایک شخص لوگوں سے سوال کرتا پھرتا کہ مجھے کوئی ایسا عمل سکھاؤ کہ رات دن اسی میں مصروف عمل رہوں اور کبھی نیکی وثواب سے محروم نہ رہوں۔ تو ایک بزرگ نے فرمایا کہ ہمیشہ نیکی کی نیت رکھا کرو اور اسی نیک نیتی کے ساتھ عمل میں مصروف رہو رات و دن نیکی وثواب کی دولت ملتی رہے گی۔ حضرت سیدنا امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کو چند روز کی محنت سے جنت نہیں ملے گی بلکہ اچھی نیت سے جنت حاصل ہوگی جس کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ مخدوم جہاں شیخ احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے جان لو کہ نیت کا سرچشمہ اخلاص کے دریا سے ہے اور اسی سرزمین (اخلاص) میں اس کی پیدائش ہے۔ اسی لئے اس حدیث کی جبروتیت ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَایَنْظُرُوْ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَعْمَالِکُمْ وَ لٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْ بِکُمْ وَنِیَّاتِکُمْ (رواہ مسلم)

ترجمہ: اللہ تمہاری صورتوں اور کاموں کو نہیں دیکھتا مگر تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔ اور اس حدیث کی ہیبت وسیاست نے جگر کو کباب کر دیا ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وَیُحْشَرُ والنَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَۃَ عَلٰی نِیَّاتِہِمْ۔

ترجمہ: قیامت کے دن لوگوں کا حشر ان کی نیتوں پر ہوگا۔ صدیقوں کے خون کو پانی کر دیا ہے۔ ہم کو تم کو خبر نہیں۔ کل قیامت کے دن جہان والے اس قدر چیخ ماریں گے جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی۔ فرادت کند خمار کا شب مستی۔ (یعنی آج رات میں تو شراب کی مستی ہے۔ کل خمار ٹوٹے گا تو معلوم ہو جائے گا) جب سامنے سے پردہ

ہٹ جائے گا تو ظاہر ہوجائے گا کسی نے کیا رکھا ہے۔شرک یا توحید، کفر یا اسلام جب یہ بات مسلم ہوگئی کہ افعال و اعمال کی قدر نیت کے اعتبار سے ہوتی ہے اور نیت علم نہایت پاکیزہ و پر لطف ہے تو بقدر وسعت ہوشیار اور بیدار ہونا چاہئے اور تصحیح نیت میں پوری کوشش کرنی چاہئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ بات حاصل ہوجائے گی۔'' (مکتوبات صدی۔مکتوب نمبر ۱۳۱، بیان نیت، جلد ۲، صفحہ ۲۳۰۔۲۳۱،)

کلامِ الٰہی قرآن مجید میں اور احادیث مبارکہ میں نیت کا بیان صراحت کے ساتھ موجود ہے۔اس مقالہ میں سب لکھنا ممکن نہیں۔ بزرگانِ دین کے چند اقوال ملاحظہ فرمائیں اور پڑھ کر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

اقوال بزرگان دین:

(۱) حضرت سیدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے میری والدہ نے کہا اے بیٹے! علم حاصل نہ کر جب تک تو اس پر عمل کرنے کی نیت نہ کرلے ورنہ قیامت کے دن وہ علم تیرے لئے وبال ہوگا۔

(۲) حضرت ابوعبداللہ انطاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یومِ قیامت اللہ تعالیٰ ریاکار کو کہے گا کہ جا اپنے عمل کا ثواب ان لوگوں سے لے جن کو تو دکھانے کے لئے عمل کرتا تھا۔

(۳) حضرت سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اکثر نیک نیت کیا کرو کیونکہ ریا نیت میں داخل نہیں ہوتی۔

(۴) حضرت سیدنا داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم جب کوئی کتاب لکھے تو اسے مناسب ہے اس سے نصرت دین کا قصد کرے نہ کہ حسن تالیف کے سبب اپنے ہم عصروں میں تعریف کا طالب ہو۔

(۵) حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نیت کے معاملے میں دل پر اس لئے نظر فرماتا ہے کیونکہ دل ہی نیت کا مقام ہے اس لئے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کاموں کا ثواب اور عمل کا دارومدار نیت سے ہے فرمایا۔ ہر شخص کو عمل و عبادت کا ثواب اتنا ہی ملے گا جیسی اس کی نیت ہوگی۔ (کیمیائے سعادت، کشف القلوب، جلد ۴، صفحہ ۱۴)

اب اگر کسی کام میں ہماری نیت اہلِ دنیا کی خوشنودی حاصل کرنا ہے تو پھر اسے ریاکاری میں شمار کیا جائے گا۔ بندوں کو اگر چہ اس قبیح نیت کی خبر نہیں مگر جو علیم بذات الصدور ہے (اللہ دلوں کی بات جانتا ہے) وہ دل کی ہر دھڑکن کو جانتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ط اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۔ (القرآن سورہ بنی اسرائیل، آیت ۲۵)

ترجمہ: جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے تمہارا رب خوب جانتا ہے اگر تم نیک ہو تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔ توریت شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جس عمل کو میں منظور کرلوں وہ اگر تھوڑا ہو بہت ہے اور جسے میں رد کردوں وہ اگر چہ کثیر ہو مگر وہ بہت ہی کم یعنی اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

(تنبیہ المغترین، کشف القلوب، جلد ۴، صفحہ ۲۰)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۔

ترجمہ: اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔ (القرآن سورہ بقرہ، آیت ۲۸۳)

اللہ سے دعا ہے کہ عبادت و معاملات میں ہمیں نیک نیتی کی دولت سے نوازے۔

اللہ والے کو آنے کا غم نہ جانے کا ہر حال میں الحمدللہ

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کے پاس کسی امیر نے ایک بیش قیمت موتی ہدیۃً بھیجا خادم نے پیش کیا فرمایا الحمدللہ اور حکم دیا کہ رکھ لو خادم نے رکھ لیا۔ اتفاق سے وہ موتی چوری ہو گیا خادم نے یہ واقعہ عرض کیا۔ ان بزرگ نے فرمایا الحمدللہ خادم کو بڑا تعجب ہوا۔ اس نے دوسرے وقت پوچھا کہ حضرت مجھے بڑی حیرت ہے وہ یہ کہ جب موتی حضور میں آیا تھا اس وقت بھی آپ نے فرمایا الحمدللہ، اور ضائع ہونے کی خبر معلوم ہو کر بھی الحمدللہ فرمایا، اس میں کیا راز ہے آنا جانا دونوں پر کیسے خوشی ہو سکتی ہے؟ فرمایا میں نے نہ آنے پر الحمدللہ کہا نہ جانے پر بلکہ جس وقت آیا تھا میں نے قلب کو دیکھا کہ آنے پر کچھ خوشی نہیں ہوئی اس پر میں نے الحمدللہ کہا تھا اسی طرح جاتے رہنے پر میں نے قلب میں کچھ رنج نہیں پایا اس لئے میں نے الحمدللہ کہا یہ حالت ہے اہل اللہ کی۔

اسی طرح ایک اور واقعہ ہے ایک بزرگ کی خدمت میں ایک چینی آئینہ بہت قیمتی ہدیۃً آیا وہ بزرگ کبھی کبھی اس میں اپنا منہ دیکھا کرتے تھے اتفاقاً وہ آئینہ خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا۔ اسکو بڑا ہی ڈر ہوا کہ دیکھئے کیا ہوگا۔ کیسا جلال آئے گا۔

جب خادم کو عتاب کا ڈر ہوا تو اس نے سوچا کہ بزرگ زندہ دل ہوتے ہیں لاؤ شاعری بگھارو خوش ہو کر کچھ نہ کہیں گے۔ چنانچہ وہ حاضر ہوا اور کہنے لگا۔

از قضا آئینہ چینی شکست

یعنی ''قضائے الٰہی سے چینی آئینہ ٹوٹ گیا''۔

آپ فی البدیہہ فرماتے ہیں۔ ؎

خوب شد اسباب خود بینی شکست

''اچھا ہوا خود بینی کا سامان ختم ہوا''۔

یعنی اس آئینہ کا بھی جھگڑا تھا خود بینی کا سبب تھا اچھا ہوا ٹوٹ گیا پاپ کٹا۔ یہ حالت ہوتی ہے اہل اللہ کے دینوی تعلقات کی کہ ان کو کسی چیز کے نہ آنے سے فرحت ہو نہ جانے سے غم اسی انقطاع تعلق کو کہتے ہیں۔ ؎

تا بدانی ہر کہ را یزداں بخواند

از ہمہ کار جہاں بے کار ماند

خوب سمجھ لو! جس کو اللہ تعالیٰ اپنا بنا لیتے ہیں اور اپنا مقرب بنا لیتے ہیں وہ دنیا کے تمام جھمیلوں سے الگ ہو جاتا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ زراعت تجارت بی بی بچے سب چھوٹ جاتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کے دل کو کوئی خاص لگاؤ اور تعلق نہیں رہتا بلکہ خاص لگاؤ اللہ تعالیٰ سے ہو جاتا ہے۔

بفضلہٖ تعالیٰ ہمیں تو دوسری قوموں سے کسی چیز کے لینے کی کچھ بھی حاجت نہیں ہمارے یہاں تو سب کچھ ہے مگر ان کی مثال ایسی ہے جیسے مولانا روم فرماتے ہیں۔ ؎

یک سبد پر ناں ترا بر فرق سر

تو ہمی جوئی لب ناں در بدر

(ایک ٹوکرا روٹیوں کا بھرا ہوا تیرے سر پر رکھا ہوا ہے اور تو روٹی کا ٹکڑا در بدر مانگتا پھرتا ہے) یعنی کسی کے سر پر ایک ٹکڑا روٹیوں کا لدا ہوا ہو اور وہ در بدر روٹی کے ٹکڑے

کے لئے بھیک مانگتا پھرتا ہو کیسی مضحکہ خیز بات ہے ہمارے یہاں تو جواہرات بھرے ہوئے ہیں اور یہ دوسرے سے کوڑیوں کے طالب ہیں اسی طرح یہ لوگ تقلید کرتے ہیں غیر قوموں کی حالانکہ اپنے یہاں سب کچھ ہے اور طرفہ یہ ہے کہ اس کورانہ تقلید میں پریشانی بھی اٹھاتے ہیں۔ ؎

تو گریزانی بہر زخمے زعشق
تو نمی دانی بجز نامے زعشق

تو ہر زخم یعنی معمولی تکلیف پر عشق سے بھاگ نکلتا ہے بجز نام عشق کے تو کچھ نہیں جانتا۔

پڑتی ہے وقت جور جبیں پر شکن ہنوز
مجذوب خام ہے تیرا دیوانہ پن ہنوز

حکیم الامتؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ اکل حلال ضروری ہے

اکل حلال کا بہت خیال رکھے کہ یہ طاعت کرنے کا آلہ ہے اور گناہوں سے بچنے کا کہ آدمی سوچ سمجھ کر زبان کو استعمال کرے۔ اسی لئے حضرت والا فرماتے کہ جب کوئی کلمہ بولو، تو بولنے سے پہلے سوچو کہ یہ کلمہ مجھے جنت میں لے جا رہا ہے یا جہنم میں لے جا رہا ہے۔ (افادات حکیم الامتؒ)

ہر کام میں اخلاص ضروری ہے

اخلاص کی ضرورت صرف نماز وروزہ ہی میں ہے۔ وعظ کہنے، دوسروں کو دین

پہچانے غرض سب چیزوں میں اخلاص کی ضرورت ہے۔کسی عمل کو خدا کے لئے کرنا کسی مخلوق کو دکھانے کے لئے کرے یہ شرک ہے اس سے بھی بچنے کی دعا فرمائی ہے چنانچہ فرمایا کہ: وَلاَ تَجْعَلْ لِغَيْرِكَ فِيهَا شَيْئاً اس دعا کا یہ حصہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے فرماتے ہیں: فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَّلاَ يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَداً ۔یعنی جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے وہ نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے اسی طرح سے ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: وَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ اللّٰهِ فَإِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ'' ۔یعنی جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آروز رکھے تو بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی اجل (گھڑی) جو مضروب اور مقرر ہے وہ آنے والی ہے پس اس شخص کو اپنے عمل کو بدلہ ملے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الٰہی مجھے اچھے اخلاق واعمال کی ہدایت عطا فرما۔آپ کے سوا اچھے اعمال کی توفیق کوئی نہیں دے سکتا اور آپ کے سوا کوئی گناہوں سے بچا بھی نہیں سکتا۔

فائدہ: جو شخص گنہگار ہو اور عجز و تواضع کے ساتھ تسلسل کے ساتھ یہ دعاء مانگے گا اللہ اس کے اعمال بھی اچھے کردے گا گناہوں سے بچالے گا اور نیت میں بھی اخلاص پیدا ہوجائیگا مگر مجاہدہ شرط ہے۔

''اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِصَالِحِ الْاَعْمَالِ وَالْاَخْلَاقِ اِنَّهٗ لاَ يَهْدِيْ لِصَالِحِهَا وَلاَ يَصْرِفُ سَيِّئَهَا اِلاَّ اَنْتَ''۔

اچھے عمل کی توفیق کامیابی کی علامت ہے

خواجہ ہند ایک مکتوب میں خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے ہیں:
''ایک بار ناچیز مرشد کی بارگاہ میں حاضر تھا ایک شخص نے کہا کہ کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ مجھے قرب الٰہی حاصل ہوگیا؟ شیخ نے کہا اچھے عملوں کی توفیق بڑی اچھی شناخت ہے۔ یقین مانو جسے عمل صالح کی توفیق مل گئی، اس کے لئے قرب کا دروازہ کھل گیا۔ خواجہ غریب نواز نے اشکبار ہوکر فرمایا، ایک لونڈی تھی جو مالک کے گھر پہ آدھی رات کو اٹھ کر خدا کی عبادت کرتی تھی ایک رات نماز پڑھنے کے بعد کہہ رہی تھی خدا تیرا شکر ہے کہ تونے مجھے اپنے قرب کا شرف دیا۔

اب آسانی سے دور نہ کرنا۔ مالک نے پوچھا یہ کیسے معلوم ہوا کہ تمہیں خدا کا قرب مل گیا ہے؟ لونڈی نے کہا، اس وجہ سے کہ اس نے مجھے آدھی رات میں اٹھ کر عبادت کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ یہ سن کر مالک نے اسے آزاد کردیا۔

نماز کے متعلق تعلیم دیتے ہوئے حضرت خواجہ لکھتے ہیں: نماز دو قسم کی ہوتی ہے ایک عابد وزاہد اور علماء فقہا کی نماز جو صرف قول و فعل تک محدود رہتی ہے مگر اس سے وصال الٰہی میسر نہیں آتا اس کی رسائی صرف عالم ملکوت نفسانی تک ہوتی ہے۔ دوسری نماز انبیاء اولیاء اور خلفا کی ہے حضور قلب سے ادا کی جاتی ہے۔ اس کا ثمرہ وصال الٰہی ہے اور اس کی رسائی عالم جبروت رحمانی تک ہے۔ (نصیحۃ العلماء)

سرکشی و برائی سے روکنے کی تعلیم

قرآن وحدیث کی تعلیمات سے بے اعتنائی کا ماحول پیدا ہوتے ہی ہمارے معاشرہ میں ظلم و برائی کی روک تھام برائے نام رہ گئی ہے۔ ہمارے ملکی قوانین بھی مال وزر کی نذر ہوتے جارہے ہیں۔ اچھائی کو روکنے اور برائی کو پنپنے کا ماحول بڑی تیزی سے جڑ پکڑتا جارہا ہے اس سلسلے میں قرآن وحدیث کی رہنمائی ملاحظہ ہو۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ظلم کو دیکھو تو طاقت سے روک دو، یہ اگر ممکن نہیں تو زبان سے روک دو۔ اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو کم از کم دل سے برا مانو اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (قرآن)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو برائی سے روکنے کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک بزرگ کو میں نے دریائے دجلہ کے کنارے صومعہ میں خلوت گزیں دیکھا۔ حاضر بارگاہ ہوکر ادب سے سلام کیا۔ اشاروں میں سلام کا جواب دیا اور بیٹھنے کو کہا پھر درویش نے مجھ سے کہا میں پچاس برس سے اس جگہ گوشہ نشیں ہوں کبھی تمہاری طرح میں بھی سیاحت کرتا تھا۔ ایک بار ایک سخت گیر آدمی کو لوگوں پر ظلم ڈھاتے ہوئے دیکھا اور میں نے اسے ظلم سے باز رہنے کی تعلیم نہ دی اور چشم پوشی کی۔ غیب سے آواز آئی اے درویش! اگر تو اسے ظلم سے باز رہنے کے لئے کہہ دیتا تو تمہارا کیا بگڑ جاتا لیکن تو نے صرف ترک مروت کے خوف سے ایسا نہیں کیا پھر کہنے لگے اس دن سے مجھے اتنی شرمندگی ہوئی کہ صومعہ میں معتکف ہوگیا۔

سوچتا ہوں کہ اگر باہر نکلا اور ظلم و برائی کو دیکھا اور باز آنے کی تعلیم نہ دی تو خدائے تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا؟ میں نے اس دن سے قسم کھائی کہ باہر نہیں جاؤں گا تا کہ کسی واقعہ کا گواہ نہ بنوں۔

حضرت خواجہ کی حیات وتعلیمات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کو ظلم سے روکنے کا جذبہ پوری زندگی ان کے اندر کارفرما رہا چنانچہ ایک مرتبہ ایک بے کس کسان کا قطعہ ارضی سلطان شمس الدین التمش کے کارندوں نے جبراً ہڑپ لیا۔ وہ مجبور غریب نواز کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اپنی پریشانی بیان کی۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ بذات خود سلطان شمس الدین التمش کے پاس گئے اور اس غریب کسان کی سفارش کی۔ بادشاہ نے کہا حضور کو زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی فقط حکم دے کر کسی کو بھیج دیتے تو یہ خادم آپ کے حکم کی تعمیل میں کوئی تامل نہ کرتا۔

حضرت غریب نواز نے کہا مظلوم کی حمایت میں جو وقت گذرتا ہے وہ عبادت میں شمار ہوتا ہے اس لئے میں خود ہی چلا آیا۔ (سوانح خواجہ غریب نواز)

کفن چور کی مغفرت

شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک نیک عورت کا انتقال ہوا، لوگوں نے نماز جنازہ پڑھ کر اس کو دفن کر دیا ایک کفن چور بھی جنازے کی نماز میں شریک تھا دفن کرنے کے بعد جب سب لوگ قبرستان سے واپس چلے آئے تو یہ کفن نکالنے کے لئے اس کی قبر کے قریب گیا۔ اندر سے آواز آئی کہ یہ بھی کیسی عجیب بات

ہے کہ ایک مغفور مغفورہ کی چوری کر رہا ہے یعنی ایک ایسا شخص جس کی مغفرت کی جا چکی ہے اور وہ ایک ایسی ذات کی چوری کر رہا ہے کہ اس کی بھی مغفرت کی جا چکی ہے۔

اب ہم لوگ ہوتے تو یہ آواز سن کر ڈر جاتے اور کہتے کہ اس کو کچھ لگ گیا ہے اور پھر کسی پیر فقیر کے پاس جاتے کہ اس کو اتارو، مگر اس نے جب یہ سنا تو پوچھا کہ یہ کیسے؟ اندر سے جواب ملا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور یہ فرمایا کہ جتنے لوگ تمہارے جنازے میں شریک ہوئے ہیں میں نے سب کی مغفرت فرما دی اور تم نے بھی میرے جنازے کی نماز پڑھی ہے اس لئے تمہاری بھی مغفرت ہوگئی یہ سنکر وہ شخص بہت ہی متاثر ہوا اپنے دل میں کہا کہ واہ رے رحمت! میں آیا تھا کفن چرانے کے لئے اور لے کے جا رہا ہوں یہاں سے وعدۂ مغفرت۔ لوگ تو رات رات بھر اسی مغفرت کے لئے دعائیں مانگتے ہیں اور روتے ہیں لیکن خدا کی رحمت تو دیکھو کہ میں آیا تھا کفن چرانے کیلئے اور اسی لئے نماز میں شریک ہوا لیکن خدا نے مجھے بخش دیا۔ یہ خیال کر کے مارے ندامت کے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

تصدق اپنے خدا کے جاؤں یہ پیار آتا ہے مجھ کو اتنا

ادھر سے ایسے گناہ پیہم، ادھر سے وہ دم بدم عنایت

ہم ظاہر کو نہیں آدمی کے باطن اور حال کو دیکھتے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دن جنگل جا رہے تھے کہ انہوں نے ایک چرواہے کی آواز سنی۔ وہ اونچی اونچی آواز میں کہہ رہا تھا ''اے میرے جان سے پیارے خدا، تو

کہاں ہے؟ میرے پاس آ۔ میں تیرے سر میں کنگھی کروں، جوئیں چنوں، تیرا لباس میلا ہو گیا ہے تو دھوؤں، تیرے موزے پھٹ گئے ہوں تو وہ بھی سیئوں، تجھے تازہ تازہ دودھ پلاؤں، تو بیمار ہو جائے تو تیری تیمارداری کروں۔ اگر مجھے معلوم ہو کہ تیرا گھر کہاں ہے تو تیرے لئے روز گھی اور دودھ لایا کروں۔ میری سب بکریاں تجھ پر قربان اب تو آ جا"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے قریب گئے اور کہنے لگے "ارے احمق، تو یہ باتیں کس سے کر رہا ہے؟" چرواہے نے جواب دیا "اس سے کر رہا ہوں جس نے تجھے اور مجھے پیدا کیا اور یہ زمین آسمان بنائے"۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غضب ناک ہو کر کہا "ارے بدبخت تو اس بیہودہ بکواس سے کہیں کا نہ رہا۔ بجائے مومن کے تو کافر ہو گیا۔ خبردار ایسی بے معنی اور فضول بکواس بند کر۔ تیرے اس کفر کی بدبو ساری دنیا میں پھیل گئی۔ ارے بے وقوف، یہ دودھ، لسی ہم مخلوق کے لئے ہے، کپڑوں کے محتاج ہم ہیں۔ حق تعالیٰ ان حاجتوں سے بے نیاز ہے۔ نہ وہ بیمار پڑتا ہے نہ اسے تیمارداری کی ضرورت ہے۔ نہ اس کا کوئی رشتہ دار ہے توبہ کر اور اس سے ڈر"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غیظ و غضب میں بھرے ہوئے یہ الفاظ سن کر چرواہے کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ چہرہ زرد پڑ گیا اور بولا "اے خدا کے جلیل القدر نبی، تو نے ایسی بات کہی کہ میرا منہ ہمیشہ کیلئے بند ہو گیا اور مارے ندامت کے میری جان ہلاکت میں پڑ گئی"۔ یہ کہتے ہی چرواہے نے سرد آہ کھینچی۔ اپنا گریبان تار تار کیا اور دیوانوں کی طرح اپنے سر پر خاک اڑاتا ہوا غائب ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حق تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لئے کوہ طور پر گئے تو خدا

نے فرمایا: ''اے موسیٰ علیہ السلام! تو نے ہمارے بندے کو ہم سے جدا کیوں کیا؟ تو دنیا میں جدائی کے لئے آیا ہے یا ملاپ کے لئے؟ خبردار اس کام میں احتیاط رکھ۔ ہم نے اپنی مخلوق میں ہر شخص کی فطرت الگ بنائی اور ہر فرد کو دوسروں سے جدا عقل بخشی ہے جو بات ایک کے حق میں اچھی ہے وہ دوسرے کے لئے بری ہے۔ ایک کے حق میں تریاق کا اثر رکھتی ہے وہی دوسرے کے لئے زہر ہے۔ ایک کے حق میں نور اور دوسرے کے حق میں نار۔ ہماری ذات پاکی وناپاکی سے مبرّا ہے اور اے موسیٰ، یہ مخلوق ہم نے اس لئے پیدا نہیں فرمائی کہ اسے ہماری ذات کو کوئی فائدہ پہنچے۔ اسے پیدا کرنے کا مقصد یہ ہیکہ اس پر ہم اپنے کمالات کی بارش کریں۔ جو شخص جس زبان میں بھی ہماری حمد وثنا کرتا ہے اس سے ہماری ذات میں کوئی کمی بیشی واقع نہیں ہوتی۔ مدح کرنے والا خود ہی پاک صاف ہوتا ہے۔ ہم کسی کے قول اور ظاہر پر نگاہ نہیں رکھتے۔ ہم تو باطن اور حال دیکھتے ہیں۔

''اے موسیٰ علیہ السلام، خردمندوں کے آداب اور ہیں، دل جلوں اور جان ہاروں کے آداب اور''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب خدا کا یہ عتاب آمیز خطاب سنا تو سخت پشیمان ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں نہایت ندامت اور شرمساری سے معافی مانگی۔ پھر اسی اضطراب اور بے چینی میں اس چرواہے کو ڈھونڈنے جنگل میں گئے۔ صحرائے بیابان کی خاک چھان ماری پر چرواہے کا کہیں پتہ نہ چلا۔ اس قدر چلے کہ پیروں میں چھالے پڑ گئے لیکن تلاش جاری رکھی۔ آخر آپ اسے پالینے میں کامیاب ہوئے۔

چرواہے نے انہیں دیکھ کر کہا۔ ''اے موسیٰ علیہ السلام، اب مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے کہ یہاں بھی آپہنچے؟''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا ''اے چرواہے میں تجھے مبارک دینے آیا ہوں۔ تجھے حق تعالیٰ نے اپنا بندہ فرمایا اور اجازت عطا کی کہ جو تیرے جی میں آئے بلا تکلف کہا کر۔ تجھے کسی ادب و آداب، قاعدے ضابطے کی ضرورت نہیں۔ تیرا کفر اصل دین ہے اور دین نور جاں۔ تجھے سب کچھ معاف ہے بلکہ تیرے صدقے میں تمام دنیا کی حفاظت ہوتی ہے''۔ چرواہے نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا ''اے پیغمبر خدا! اب میں ان باتوں کے قابل ہی کہاں رہا ہوں کہ کچھ کہوں، میرے دل کا خون ہو چکا ہے۔ اب میری منزل بہت آگے ہے۔ تو نے ایسی ضرب لگائی کہ ہزاروں، لاکھوں سال کی راہ طے کر چکا ہوں۔ میرا حال بیان کے قابل نہیں اور یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے بھی میرے احوال مت جان۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس حکایت سے ماحصل یہ نکالتے ہیں کہ اے شخص جو تو حق تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کیا کرتا ہے کیا سمجھتا ہے؟ تو تو ابتداء سے انتہا تک ناقص اور تیرا حال وقال بھی ناقص۔ یہ محض اس پروردگار رحمن و کریم کا کرم ہے کہ وہ تیرے ناقص اور سادے تحفے کو قبول فرماتا ہے۔ (مثنوی مولانا روم)

نماز اللہ کیلئے ہے نہ کہ بادشاہ کیلئے

ابو عبداللہ شیخ ابن بطوطہ اپنے سفر نامہ میں لکھتے ہیں کہ:

شیراز کی سیاحت سے فارغ ہو کر میں خوارزم گیا۔ وہاں حضرت شیخ بدر الدین اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ شیخ کے فضل و کمال کی بڑی شہرت تھی۔ وہ شاہی جامع مسجد کے امام اور خطیب تھے۔

جمعہ کے دن میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ جب خطبہ اور نماز کا وقت ہوا تو شیخ منبر پر گئے۔ اس موقع پر سلطان کے ایک معتمد نے حاضر ہو کر کہا کہ اے شیخ! آج خطبہ اور نماز میں تاخیر کیجئے یہ سلطان کا حکم ہے۔ یہ سن کر فرط غضب سے شیخ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا:

نماز اللہ کے لئے ہے یا سلطان کے لئے؟

یہ کہہ کر حسب معمول خطبہ پڑھا اور نماز کی امامت کرنے لگے۔ ایک رکعت کے بعد سلطان آیا، اس وقت تمام مسجد نمازیوں سے پر تھی، سلطان سمٹ کر ایک صف میں کھڑا ہو گیا اور نماز ادا کی۔ جب نماز ہو چکی تو سلطان نے جا کر شیخ کا ہاتھ پکڑ لیا اور ان کی حق پرستی کا شکریہ ادا کیا اور اپنی غلطی کیلئے معذرت کی۔ شیخ نے فرمایا: اس جگہ ادنیٰ و اعلیٰ کا کوئی سوال نہیں۔ سلطان نے جزاک اللہ کہا اور شیخ کا ہاتھ چوم لیا۔ (سفر نامہ عبداللہ ابن بطوطہ)

پتھر کو ہیرا بنا دیا

ایک مرتبہ ایک بد باطن شخص حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کرنے کے ارادے سے آیا۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے تیور بھانپ لئے اور مومنانہ فراست سے اس کا ارادہ معلوم کر لیا۔ جب وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے قریب آیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کے ساتھ نہایت خندہ پیشانی سے پیش آئے اور بڑی نرمی سے فرمایا: بھائی تم جس ارادے سے آئے ہو اس کو پورا کرو میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ یہ سن کر اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا، وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے

قدموں میں گر پڑا اور پھر کہنے لگا کہ مجھ کو لالچ دے کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کرنے پر مامور کیا گیا ہے۔ اسی مقصد کے لئے میں یہ چھری اپنی بغل میں چھپا کر لایا۔ اب میری خواہش ہے کہ اسی چھری سے آپ میرا کام تمام کر دیں تا کہ میں اپنی بدنیتی کی سزا کو پہنچوں۔

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم درویشیوں کا شیوہ ہے کہ جو ہم سے بدی کرتا ہے ہم اس سے نیکی کرتے ہیں۔ تم نے میرے ساتھ کوئی بدی نہیں کی۔

ہ فرما کر اس کو گلے لگالیا اور اس کے حق میں دعائے خیر کی۔

اس شخص پر آپ کے بلند اخلاق کا اس قدر اثر ہوا کہ اسی وقت آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور دن رات آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہنے لگا۔ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نے اس کو پتھر سے ہیرا بنا دیا تھا۔ وہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوا اور بالآخر حجاز مقدس میں ہی سفر آخرت اختیار کیا۔ (سوانح خواجہ غریب نواز)

میں تو اپنے سے زیادہ برا کسی کو نہیں سمجھتا

دلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک نہایت ہی فاسق وفاجر شخص بھی رہتا تھا۔ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سخت دشمن تھا اور ہمیشہ برا بھلا کہتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ جو لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت وملاقات کے لئے آتے ان کو بھی برا بھلا کہنے سے گریز نہ کرتا۔ آخر ایک دن آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ارادت مند نے حاکم شہر سے اس کی گستاخیوں کا ذکر کر کے اسے گرفتار کرا دیا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ہوئی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے

ارادت مند سے کہا کہ تم نے ہمارے پڑوسی کو کیوں گرفتار کرا دیا۔

اس نے عرض کی کہ اس شخص کی گستاخیاں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں حد سے بڑھ گئی تھیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں کیا اور میری شان کیا، جو کچھ وہ مجھے کہتا تھا میں اس سے زیادہ خود کو گنہگار سمجھتا ہوں۔

مرید نے عرض کی کہ یہ شخص نہایت شریر ہے۔

آپؒ نے فرمایا: بھائی تم ایک صالح اور نیکوکار آدمی ہو اس لئے دوسرے لوگ تمہیں بدکردار اور بداعمال نظر آتے ہیں میں تو اپنے سے زیادہ برا کسی کو نہیں دیکھتا۔

مرید بہت شرمندہ ہوا اور اسی وقت اس شخص کو رہا کرا دیا۔

اس حسن سلوک کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس شخص نے حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے معافی مانگی اور ایذا رسانی سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی۔

اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے سے متعلق ملفوظات

مخلوق کو راضی رکھنے کی فکر نہ کرو بلکہ خالق و مالک کو راضی رکھو جس نے وجود دیا ہے اور زندگی بخشی ہے، آج کل لوگ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خالق و مالک کی نافرمانی کرتے ہیں۔ صرف اس لئے ڈاڑھی منڈاتے اور پتلون پہنتے ہیں کہ کوئی ملانہ سمجھے، بیوی کو پردہ اس لئے نہیں کراتے کہ کوئی دقیانوسی نہ کہہ دے۔ بس اتنی سی بات کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کو تیار ہیں۔ ارے مخلوق کی بھی کوئی حیثیت ہے جسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے راضی کیا جائے، صرف خالق و مالک کو راضی کرو اس کو راضی رکھتے ہوئے جو راضی ہو جائے۔

یہی جذبہ ریا کاری کے تمام کاموں میں کارفرما ہے کہ لوگ کیا کہیں گے؟ شادیوں کی رسوم، تیجوں چالیسووں میں دیگیں کھٹکنا، میراث تقسیم کئے بغیر جس میں نابالغ بچوں کا بھی حق ہوتا ہے عوام وخواص کی دعوت کرنا اور ولیموں کے لئے قرض لے لے کر لوگوں کو ضیافتوں پر بلانا اور اسی طرح جتنے بھی ریا کاری کے کام ہیں اس لئے انجام دیئے جاتے ہیں کہ اگر یہ سب نہ کیا تو لوگ کیا کہیں گے؟ یہ جذبہ مخلوق کو راضی کرنے کا ہے، سب کو معلوم ہے کہ ریا کاری کا وبال بہت بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ اسی عمل کو قبول فرماتا ہے جو اسی کی رضاء کے لئے ہو۔ ریا کاری گناہ کبیرہ ہے اس پر آخرت میں مواخذہ ہے اور عذاب ہے۔

جب لوگوں کو یہ باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ مولانا دنیا کو بھی بھگتنا پڑتا ہے، یہ بھگتنا خود اپنے سر لگالیا ہے دنیاداروں کی باتوں کا خیال کرتے ہیں جن سے کچھ بھی نہیں مل سکتا اور آخرت کی رسوائی کا کچھ خیال نہیں جب کہ علی رؤس الاشہاد قیامت کے دن پیشی ہو گی اور وہاں یہ اعلان ہوگا کہ یہ شخص ریا کار تھا تو اس وقت کیا ہوگا قال النبی ﷺ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ يُّرَاىِٕ يُّرَاىِٕ اللّٰهُ بِهٖ (جو شخص اپنی شہرت کرے اللہ تعالیٰ اس کی تشہیر فرمادے گا یعنی لوگوں کو یہ بتائے گا کہ یہ ریا کار تھا اور جو شخص ریا کاری کرے اللہ تعالیٰ اس کی ریا کاری کو ظاہر فرمادے گا۔ (رواہ البخاری، مسلم۔ کمافی المشکوۃ ص ۴۵۴)

اس حدیث کی تشریح یہ ہے کہ جو مخلوق میں اپنی شہرت کروانا چاہتا ہے اللہ اس کو ساری مخلوق کے سامنے ذلیل کردیتے ہیں، اللہ حفاظت فرمائے (آمین)

اصل عزت آخرت کی ہے وہاں کی رسوائی سے بچنے کی فکر کرنا چاہئے اس لئے تو یہ دعا تلقین فرمائی ہے:

{رَبَّنَا وَ آتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ}

''اے ہمارے رب ہمیں وہ نعمتیں عطا فرما جن کا آپ نے اپنے رسولوں کی زبانی وعدہ فرمایا اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ فرمانا۔''

علمائے سابقین میں اخلاص تھا۔ ان حضرات میں سے جو شخص اپنے اجتہاد کی وجہ سے کسی دوسرے کا موافق نہ ہوا اس نے دوسرا مسلک اختیار کرلیا جو اسے راجح معلوم ہوا، لیکن اپنے ہم عصر یا سابق مجتہدین کی عزت برقرار رکھتے ہوئے اور انہیں رحمت کی دعائیں دیتے ہوئے اور یہ واضح کرتے ہوئے کہ ہم نے غیر منصوص امور میں اجتہاد کیا ہے اس لئے ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری سمجھ میں جو آیا ہے وہ ہی صحیح ہے۔ ان حضرات کے پیش نظر محض اللہ تعالیٰ کی رضاء تھی نہ عوام ان کے پیش نظر تھے کہ ان کے لئے حرام کو حلال کردیں اور نہ حکومتوں سے ان کا گٹھ جوڑ تھا کہ ان کے لئے تحلیلِ حرام کا ارتکاب کریں۔

ان حضرات میں اخلاص اور تقویٰ تھا اور سارا عمل رضائے مخلوق سے بالاتر تھا۔ نہ انہیں دشمن استعمال کرسکتا تھا نہ اصحابِ اقتدار خرید سکتے تھے۔ نہ وہ اپنی شان بڑھانا چاہتے تھے نہ شہرت کے طالب تھے نہ انہیں کریڈٹ کی تلاش تھی۔

خاک ڈالو لاکھ روپے پر

حضرت مولانا فضل رحمن صاحب گنج مرادآبادی ایک مرتبہ مجلس میں عشق الٰہی کا بیان نہایت جوش وخروش کے ساتھ کررہے تھے، طبیعت پر خوشی ونشاط کا اثر ظاہر ہورہا تھا، موقع پا کر ایک صاحب نے عرض کیا حضرت نواب صاحب رامپور فرمارہے تھے کہ

ہمارے یہاں اس وقت کے تمام اہل فضل وکمال تشریف لا چکے ہیں، بس ایک حضرت مولانا فضل رحمن صاحب ابھی تک تشریف نہیں لائے ہیں اگر وہ کبھی قدم رنجہ فرمائیں تو انھیں ایک لاکھ روپیہ نذر میں پیش کرونگا۔ حضرت نے بڑی بے نیازی کے ساتھ فرمایا کہ خاک ڈالو لاکھ روپئے پر، اور داستان عشق ومحبت سنو۔ (حیات مصلح الامت ۳۰۹)

تواضع و بے نفسی

ایک روز مغرب کے بعد کچھ طلبہ آئے اور انھوں نے بتایا کہ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب ریلوے اسٹیشن پر ملے تھے، انھوں نے آپ کو سلام کہا ہے، اور فرمایا ہے کہ میں نے سلّم کی ایک شرح لکھی ہے۔ اس کے بعد آؤں گا تو اس کا مسودہ لے کر آؤں گا، مولانا اسے دیکھ لیں تو اسے شائع کرادوں گا۔

میں نے تفصیل پوچھی تو بتایا کہ وہ ٹکٹ لینے کے لئے لائن میں کھڑے تھے، میں نے کہا کہ تم لوگ جب موجود تھے، تو یہ خدمت تم لوگوں نے کیوں نہیں انجام دی؟ کہنے لگے کہ ہم لوگوں نے بہت کوشش کی مگر حضرت راضی نہ ہوئے۔ فرمایا کہ میرے ساتھ لگے رہو اور باتیں کرتے رہو۔ اسی دوران دریافت کیا کہ مولانا کیا پڑھاتے ہیں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ فلاں فلاں کتابیں اور اسی میں سلّم کا بھی ذکر آیا۔ اسی پر فرمایا کہ میں نے سلّم کی شرح لکھی ہے۔

میں حیرت میں پڑ گیا کہ مولانا کس قدر متواضع ہیں۔ میرے پوچھنے پر طلبہ نے بتایا کہ سامان ساتھ میں کچھ نہ تھا، صرف ایک جھولا کپڑے کا تھا، جس میں شاید ایک جوڑا

کپڑا تھا، ایک مصلیٰ تھا اور ایک لوٹا تھا، پاؤں میں جوتے نہ تھے چوڑے تسمہ کے ہوائی چپل تھے اور عام مسافروں کی طرح تنِ تنہا ٹکٹ لے رہے تھے، طلبہ نے اصرار کیا تو بھی اجازت نہ دی، البتہ ان کی خاطر یہ کیا کہ اپنے ساتھ لگالیا اور افادات فرماتے رہے۔

اور ذرا، یہ بھی تواضع اور بے نفسی دیکھیں کہ ایک کہنہ مشق مدرس، جس نے نہایت محنت و کوشش سے اساتذۂ فن کے پاس علم حاصل کیا ہے اور بہترین استعداد بہم پہونچائی ہے پھر عرصہ سے اسی مشغلہ میں لگا ہوا ہے، اس نے فن منطق کے جامع مگر مشکل ترین متن کی شرح لکھی ہے، اور دکھانے کو کہہ رہا ہے ایک نو آموز مبتدی طالب علم کو! اور یہ بات ازراہِ تصنع نہ تھی، اور نہ از قبیل حوصلہ افزائی تھی، بلکہ واقعی یہی ان کا مزاج تھا کہ وہ خود کو چھوٹوں سے چھوٹا سمجھتے تھے۔

اخلاص کا واقعہ

ایک بزرگ کا واقعہ سیدنا امام محمد غزالیؒ احیاء العلوم میں نقل کرتے ہیں، وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک پہلی صف میں نماز پڑھی، تیس سال کے بعد ایک ایسا موقع آیا کہ مجھے پہلی صف میں جگہ نہیں ملی بل کہ دوسری صف میں جگہ ملی، اس طرح مجھے لوگوں کے سامنے بڑی شرمندگی ہوئی کہ لوگ کیا کہیں گے کہ یہ ہمیشہ پہلی صف میں نظر آتا ہے آج یہ پیچھے کیوں رہ گیا ہے۔ بس میرا ضمیر جاگ اٹھا اور میں سمجھ گیا کہ یہ سب شیطان کا دھوکا تھا کہ میں تیس سال سے جو پہلی صف میں نماز پڑھتا تھا، یہ میری ریا کارانہ نماز تھی ورنہ آج دوسری صف میں مجھے لوگوں سے شرم نہ آتی، لوگوں سے شرم

آنا اس بات کی دلیل بنائی کہ میں تیس سال سے لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھ رہا تھا تو ان بزرگوں نے اپنی تیس سال کی نمازیں قضا کیں۔ یہ کتنی زبردست مدنی سوچ ہے۔

عمل میں اخلاص

حضرت مجدد الف ثانی کا ایک واقعہ بھی اسلامی کتب میں مذکور ہے کہ دورانِ تصنیف وتالیف آپ نے قلم کی نوک درست کرنے کے لیے اسے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن پر رکھ کر دبایا جس سے وہاں معمولی سا سیاہی کا نشان پڑ گیا۔ کچھ دیر بعد آپ کو قضائے حاجت کے لیے بیت الخلاء جانے کی ضرورت پیش آئی۔ بیٹھنے کے بعد آپ کی نظر اس پر پڑی تو خیال آیا جس سیاہی سے میں کلام اللہ کی تفسیر اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی ضابطہ تحریر میں لاتا ہوں، وہ اب طہارت کرتے وقت گندے پانی میں بہہ جائے گی۔ ضرورت روک کر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، باہر جا کر پہلے پاک وصاف جگہ پر انگوٹھے کے ناخن پر لگا ہوا سیاہی کا وہ نشان دھویا اور پھر آ کر اپنی ضرورت پوری کی۔ بظاہر یہ چھوٹا سا عمل اللہ کی خوشنودی کے حصول اور اُن کے درجات کی بلندی کا وسیلہ بن گیا۔

اخلاص ملکہ ہارون رشید

تاریخ کی کتابوں میں بادشاہ ہارون رشید کی ملکہ زبیدہ کا بھی تذکرہ ملتا ہے جو بہت نیک اور خدا ترس خاتون مشہور تھیں۔ کہتے ہیں کلام اللہ سے ان کی رغبت کا عالم یہ تھا

کہ 300 حافظات ہر وقت محل میں قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہتی تھیں جس کی وجہ سے محل کے کونے کونے میں تلاوت قرآن کی آواز گونج رہی ہوتی تھی۔ اُس زمانے میں چونکہ نقل وحمل کی موجودہ جدید سہولتیں مفقود تھیں اور دنیا بھر سے عازمین حج کے قافلے پا پیادہ یا اونٹوں، گھوڑوں اور خچروں پر مہینوں سفر کر کے ارض مقدس پہنچا کرتے تھے، دوران سفر انھیں پانی کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

اُن کی ضرورت کے پیش نظر ملکہ زبیدہ نے عازمین حج کے راستے میں طویل فاصلے تک نہر کھدوانے کا منصوبہ بنایا۔ ان کے نام سے منسوب نہر زبیدہ سیکڑوں سال بعد آج بھی موجود ہے اور لاکھوں بندگان خدا اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ کیا پتہ کئی سو میل رقبے کو سیراب کرنے والی اس نہر زبیدہ کو بھی اعمال تولنے والے اُسی ترازو میں تولا جائے جسے دیکھ کر سیدنا داؤد علیہ السلام غش کھا کر بیہوش ہو گئے تھے۔

ایک دوسری روایت کے مطابق جو میں نے برسوں پہلے کہیں پڑھی تھی، ملکہ زبیدہ نے ایک رات خواب دیکھا کہ بہت سے لوگ ملکر انھیں زیادتی کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ ظاہر ہے وہ پریشان ہوگئیں اور اس بھیانک خواب کی تعبیر جاننے کے جتن کرنے لگیں۔ بالآخر وہ ایک ایسے آدمی کا پتہ لگوانے میں کامیاب ہوگئیں جو خوابوں کی درست تعبیر بتانے کے لیے مشہور تھا۔

ملکہ زبیدہ نے اپنی کنیزِ خاص کو خواب کی تعبیر جاننے کے لیے اس شخص کے پاس بھیجا اور تاکید کی کہ خواہ کچھ ہو جائے یہ ظاہر نہ کیا جائے کہ یہ خواب انھوں نے دیکھا ہے۔ ملکہ زبیدہ کے حکم کی تعمیل میں کنیز خوابوں کی تعبیر بتانے والے ماہر کے پاس پہنچی اور

سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اُس شخص نے خواب سن کر کنیز سے پوچھا پہلے یہ بتایا جائے کہ خواب کس نے دیکھا ہے، کنیز نے جھوٹ جھوٹ کہہ دیا کہ اُس نے خود یہ خواب دیکھا ہے لیکن اُس شخص کو کنیز کی بات پر یقین نہ آیا اور بولا تم جیسی معمولی عورت ایسا خواب نہیں دیکھ سکتی۔

مجبوراً اسے بتانا پڑا کہ خواب اُس نے نہیں بلکہ ملکہ زبیدہ نے دیکھا ہے۔ تب اُس شخص نے اس کی یہ تعبیر بتائی تھی کی اُن کے ہاتھوں کوئی ایسا کام ہونے جارہا ہے جس سے لاکھوں افراد مدتوں مستفید ہوتے رہیں گے۔ ایسا ہی ہوا اور ملکہ زبیدہ کی کھدوائی ہوئی انھی کے نام سے منسوب یہ نہر آج بھی ان گنت بندگانِ خدا اور حیوانات کی پیاس بجھانے نیز سیکڑوں ایکڑ زرعی زمین کو سیراب کرنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ رب العالمین کے نزدیک اہمیت عمل سے زیادہ اُس اخلاص اور نیت کی ہے۔ (حیات وکارنامہ)

جس سے کوئی نیک عمل کیا جاتا ہے۔ کوئی اچھا اور عوامی فلاح و بہبود کا کام اس لیے نہیں کیا جانا چاہیے کہ کرنے والے کی واہ واہ ہو، بطور ایک نیک انسان اُس کی شہرت کو چار چاند لگیں اور لوگ اُس کی بڑھا چڑھا کر تعریف کریں۔ اس کے بجائے اگر وہی کام خاموشی سے اور صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کی نیت سے کیا جائے تو ہوسکتا ہے وہ بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبولیت حاصل کر کے اپنے کرنے والے کی مغفرت ونجات کا ذریعہ بن جائے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ دنیا دار الامتحان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ علم اپنے رسولوں کے ذریعے دیا۔ چنانچہ جو لوگ رسولوں کو ماننے والے ہیں اور اُن کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ دنیا کے اس امتحان کے بعد اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے، لیکن اس سے پہلے سخت حساب کتاب ہوگا اور جو دنیا کے اس امتحان میں

پاس ہوجائے گا، حتمی اور آخرت کی دائمی کامیابی اُسی کو نصیب ہوگی۔ اس عقیدے اور فلسفہ زندگی پر یقین رکھنے والوں کے اعمال بھی اسی کے تابع ہونے چاہئیں تبھی وہ نیک نیتی اور اخلاص سے کیے ہوئے اور اہمیت کے حامل مانے جائیں گے۔

ایک محدث کا واقعہ

ایک بہت بڑے محدث کا مشہور واقعہ ہے کہ کسی دن جب وہ احادیث مبارکہ لکھنے بیٹھے تو ان کی نظر قلم کی نوک پر بیٹھی مکھی پر پڑی جو اس پر لگی سیاہی سے اپنی پیاس بجھا رہی تھی، انھوں نے مکھی کو وہ ایک بوند سیاہی پینے کا موقعہ دینے کے لیے لکھنے کا کام کچھ دیر کے لیے موخر کر دیا۔ اللہ کو ان کا یہ عمل ایسا بھایا کہ اس کے بدلے انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرما دیا۔

شیطان کے حملوں کے طریقے

شیطان ہمیں ہلاک کرنے اور ہمارے اعمال کو باطل کرنے کے لئے مختلف طریقے استعمال کرتا ہے۔ کبھی وہ ہمارے عقائد خراب کرتا ہے، کبھی افکار و نظریات پر حملہ کرتا ہے، کبھی یقین و توکل کو وسوسہ کے ذریعے ختم کرتا ہے۔ یعنی ہم پر اعتقادی، فکری اور نظریاتی حملے کرتا ہے۔ کبھی اس کا حملہ ہم سے گناہ، معصیت، نافرمانی کا ارتکاب کروانے کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ ذیل میں ہم شیطان کے ان بڑے حملوں کے متعلق جانتے ہیں جو ہماری کمزوری و نقص کے باعث شیطان لعین ے لئے بڑے کارگر ہوتے ہیں اور ان کی پہچان کے بغیر ہم ان حملوں سے بچ نہیں سکتے۔

شیطان کا حملہ چار اطراف سے

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت سے نکالا اور اس کو راندۂ درگاہ کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑے چیلنج کے انداز میں کہا تھا کہ جب آپ نے مجھے جنت سے نکالا ہے اور میری یہ دعا بھی آپ نے قبول کر لی ہے کہ میں قیامت تک زندہ رہوں گا تو اس نے یہ عزم کیا تھا کہ یہ آدم جس کی وجہ سے مجھے جنت سے نکلنا پڑا اس کی اولاد کو میں اس طرح گمراہ کروں گا کہ: لَآتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ۔ (الاعراف ۱۷)

”یعنی میں ان کے سامنے سے حملہ کروں گا ان کے پیچھے سے حملہ کروں گا، دائیں سے حملہ کروں گا، بائیں سے حملہ کروں گا، اور آپ کی اس مخلوق پر چاروں طرف سے حملے کروں گا لہٰذا شیطان نے چاروں جہتیں گھیر رکھی ہیں۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ دو سمتوں کو بیان کرنا بھول گیا، ایک اوپر کی جہت اور ایک نیچے کی جہت۔ لہٰذا یہ چاروں طرف سے حملہ آور ہے اور اس سے بچاؤ کا راستہ یا تو اوپر ہے یا نیچے ہے اور اوپر کے راستہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کرو اور اس سے مدد مانگو، اس سے رجوع کرو اس کی طرف انابت کرو اور کہو کہ اے اللہ! یہ شیطان مجھے چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہے۔ اپنے فضل و کرم سے مجھے شیطان کے حملوں سے بچائیے۔ لہٰذا اوپر کا راستہ تو ہے جس کی رہنمائی سے اس راستہ کو

طے کرے اور وہ (رہنما) شریعت کا نور ہے مع نور بصیرت کے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ''نور علی نور'' ایک نور پر دوسرا نور ہے پس اگر کسی کے پاس صرف ایک ہی نور ہو (یعنی نور بصیرت) تو اس کی روشنی ظاہر نہ ہوگی بلکہ اس تاریک راستہ میں ایک دوسرے نور کی بھی ضرورت ہے جو کہ شریعت کا نور ہے خوب سمجھ لو۔ (شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ)

موت کے وقت شیطان کا حملہ

روایات میں ہے کہ انسان کی موت کے وقت ایک شیطان اس کی دائیں جانب بیٹھ جاتا ہے اور کہتا رہتا ہے کہ نصرانی ہو کر مر، کیوں کہ یہ سب سے بہتر دین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جو دعائیں سکھائی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔ وَاَعُوْذُبِكَ اَنْ يَّتَخَبَّطَنِي الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ، (ابوداؤد، نسائی)

اور موت کے وقت شیطان کے غلبہ پا جانے سے میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ '' موت کے وقت شیطان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ انسان کو گمراہ کرے، یا اسے توبہ کرنے سے روک دے، یا اللہ کی رحمت سے مایوس کر دے، یا اللہ کی رحمت کو اس کی نظر میں ناپسندیدہ بنا دے، تاکہ اس طرح اس کا برا خاتمہ ہو، گویا جب تک سانس باقی ہے شیطان کا فتنہ باقی ہے۔

ایک شیطانی دھوکہ

بہت سے بظاہر دیندار حضرات یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

چھوٹی سی سنت ہے، اس کے سلسلے میں زیادہ پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، یاد رہے کہ یہ صرف شیطانی دھوکہ ہے اور خودساختہ تقسیم اور ضابطہ ہے کہ سنت، سنت ہے، ہر ایک پر عمل نجات کے لیے کافی ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ اور بہت سے فرائض وواجبات ہیں، ان کا اہتمام کرو، اس طرح کی چھوٹی چھوٹی سنتوں کے چکر میں مت پڑو اعلیٰ درجہ کی جہالت اور گم راہی کی دلیل ہے، ارے سنتوں کا مقام حضراتِ صحابہ و متبعین سنت بزرگانِ دین سے پوچھو کہ انہوں نے ایک ایک سنت کو کیسے سینے سے لگایا، اس کے لیے اپنی زندگیاں تک وقف کردیں، اور اگر بعض دفعہ ان کے اہتمام میں کمی واقع ہوگئی تو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ زیارتِ نبوی سے محروم کردیے گئے، مشہور محدث وفقیہ سفیان بن سعید کو ثور (بیل) کہا گیا، ایک، دو نہیں سینکڑوں واقعات اس طرح کے کتابوں میں موجود ہیں، لہٰذا استخفافِ سنت (سنت کو ہلکا یا چھوٹا سمجھنا) کھلی گمراہی اور بددینی کی بات ہے، فقیر ایسے ایک دو نہیں بہت سو کو جانتا ہے کہ جنہو نے سنت کو چھوٹا یا ہلکا سمجھا، وہ خود ہلکے اور چھوٹے ہو گئے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

اور اہل اللہ، عارفین باللہ کا وہ مجرب ضابطہ واُصول بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر کوئی آدمی آداب کو ہلکا سمجھ کر، چھوڑ دیتا ہے، تو مستحبات سے محروم کردیا جاتا ہے، اور اگر مستحبات کو ہلکا اور چھوٹا سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے، تو ایک وقت آتا ہے کہ وہ سنتوں سے محروم کردیا جاتا ہے، اور اگر سنتوں کو ہلکا سمجھتا ہے، تو واجبات سے محروم کردیا جاتا ہے، اور اگر واجبات کو ہلکا سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے، ان کا اہتمام نہیں کرتا، تو آہستہ آہستہ وہ فرائض کو فوت کرنے والا بن جاتا ہے، اور ان کی ادائیگی سے محروم کردیا جاتا ہے۔ (مستفاد: آداب المتعلمین)۔

لہٰذا اگر اللہ نے کسی بھی عمل خیر (فرض وسنت وغیرہ) کی توفیق دی ہے، تو اس کو اُس کریم داتا کی عطا سمجھ کر زندگی میں لانا چاہیے، اپنے عمل کو اس کے مطابق کرنے میں تاخیر یا غفلت سے کام نہیں لینا چاہیے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

واذا أتتك مذمتي من ناقص

فهي الشهادة لي بأني كامل

بارگاہِ اُلوہیت میں بہ گریہ وزاری دست بدعاء ہوں کہ اس حقیر سی کوشش کو بھی اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرما کر میرے لیے اور میرے والدین، اساتذہ ومشائخ اور دوست و احباب کے لیے ذریعۂ رشد وہدایت بنا کر وسیلۂ نجات ومغفرت بنادے۔ آمین!

تمت بالخیر

{مؤلف کا تعارف}

نام : محمد علاء الدین قاسمی ابن الحاج حافظ حبیب اللہ صاحب

ولادت و پیدائش : مقام و پوسٹ: جھگڑوا، تھانہ جمال پور، وایا گھنشیام پور، ضلع دربھنگہ بہار (انڈیا) 847427

ابتدائی تعلیم : ناظرہ، وحفظ، وقرأت قرآن شریف: مدرسہ عربیہ حسینیہ چلہ امروہہ ضلع مرادآباد یوپی۔

عربی اول : جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد (یوپی)

عربی دوم، سوم : مدرسہ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ (یوپی)

اعلیٰ تعلیم : عربی چہارم تا دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند

فراغت : ۱۹۹۱ء

بعد فراغت مصروفیات...

درس وتدریس : درجہ سوم تا ہفتم: مدرسہ حسینیہ شریوردھن کوکن مہاراشٹر

حرمین شریفین کی زیارت اور عملی سرگرمیاں: فریضۂ امامت اور جدہ اردو نیوز کے لئے کالم نگاری

موجودہ مصروفیات : خانقاہ اشرفیہ پالی کی ذمہ داری اور تصنیف وتالیف کے مشاغل۔

مؤلف کی مشہور کتابیں

۱۔ رمضان المبارک سے محرم الحرام تک۔

۲۔ اپنے عقائد کا جائزہ لیجئے۔

۳۔ نکاح اور طلاق۔

۴۔ حج گائیڈ۔

۵۔ چالیس حدیثیں۔

۶۔ جادوٹونا، اور کہانت کا حکم۔

۷۔دس عظیم صحابہ کرامؓ کے ایمان افروز واقعات۔

۸۔ وعظ وادب کا خزانہ۔

۹۔ عظمت قرآن۔

۱۰۔ مسائل حاضرہ۔

۱۱۔ قربانی کے ضروری مسائل۔

۱۲۔ اصلاح کا تیر بہدف نسخہ ۔

۱۳۔ چراغ اصلاح۔

۱۴۔تکبر ایک وبال ہے۔

۱۵۔تنقید ایک بُری عادت ہے۔

۱۶۔جنت کے حسین محلات اور لذیذ ونفیس نعمتیں۔

۱۷۔تراویح کا پیسہ لینا جائز نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆